آزادیِ اقوام
مُصنّفہ
لیو ٹالسٹائی
مُترجمہ
لقمان حسین بی۔ اے (علیگ)

گزارش

تحریک ترک موالات نے ہندوستان کے افکار وخیالات میں
عظیم الشان انقلاب پیدا کیا ہے اظہر من الشمس ہے ۔ ابتدائے تحریک سے
میں اس تحریک کے مختلف پہلوؤں پر ناقدانہ نظر ڈالتا رہا ہوں اور بغور مطالعہ
بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ مہاتماجی کے پیش کردہ خیالات دنیا کے لئے کوئی
نہیں ہیں بلکہ ان کی تحریک کی مختلف مدات روس کے مشہور فلسفی لیو ٹالسٹائی
نے دنیا کے سامنے پیش کی تھیں اور ٹالسٹائی کے خیالات ہی کو ہندوستان
خاص حالات کے مطابق معمولی فروعی اختلافات کے ساتھ مہاتما گاندھی نے قبول
ہے ۔

مہاتما گاندھی اور ٹالسٹائی کے خیالات کے مقابلہ سے باشندگان
یقیناً حظ حاصل ہوگا اور بعض پہلوؤں سے یہ مقابلہ ہماری آئندہ جدوجہد
آزادی کے لئے سبق آموز بھی ہوگا ۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر میں
ترجمہ کو برادران وطن کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ۔

مقدمہ

از

لیو ٹالسٹائی

"جو تلوار اٹھاتے ہیں وہ تلوار ہی سے ہلاک ہوتے ہیں" ایک مشہور مقولہ ہے۔
م و بیش پندرہ سال کا عرصہ ہوا کہ ماسکو میں مردم شماری ہوئی تھی۔ اوس سے جو
خیالات و احساسات میرے دماغ میں پیدا ہوے تھے اونکو اپنی استعداد کے مطابق
میں نے ایک کتاب کی صورت میں منضبط کیا تھا جس کا نام "تب ہم کو کیا کرنا چاہیے"
تھا۔ اخیر سنہ گزشتہ (۱۸۹۹) میں انہیں مسائل پر میں نے پھر غور کیا اور پھر اونہیں
نتائج پر پہونچا جو اوس کتاب میں درج ہیں۔ لیکن چونکہ اس پندرہ سال کے عرصہ میں
میں نے اون مسائل پر موجودہ اصولوں کو پیش نظر رکھ کر نہایت خاموشی اور توجہ کے
اتھ غور کیا ہے اس لیے قارئین کے سامنے چند نئے خیالات پیش کرتا ہوں جن سے
س کتاب کے نتائج پر مزید روشنی پڑے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ خیالات اون لوگوں
حق میں مفید ثابت ہونگے جو سوسائٹی میں اپنی حیثیت کو واضح اور اوس حیثیت
سے جو اخلاقی فرائض عائد ہوتے ہیں اونکی صاف طور سے تصریح کرنا چاہتے ہیں۔
لہذا میں اونہیں عوام کے روبرو پیش کرتا ہوں۔

اوس کتاب کا بھی اصلی خیال یہ ہی تھا کہ تشدد سے کنارہ کشی اختیار کی جائے اور
اس کتاب کا بھی یہ ہی مقصد ہے۔ یہ تشدد سے کنارہ کشی کا خیال میں انجیل مقدس
سے اخذ کرتا ہوا جسمیں صاف طور سے لکھا ہے

"تمہیں بتایا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے میں آنکھ یعنی یہ بتایا گیا تھا کہ ظلم کا بدلہ ظلم سے لو لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی تمہیں مارے تو دوسرا گال بھی اوسکے سامنے کردو"

یعنی ظلم برداشت کرو اور خود نہ کرو۔ آزادخیال اصحاب اور مذہبی جماعت کے افراد دونوں اس معاملہ میں غلط ترجمانی پر متفق ہیں اسلیے میرا خیال ہے کہ بہت لوگ جو خود کو تعلیم یافتہ اور مہذب گردانتے ہیں ان مقدس الفاظ کے استعمال سے بھڑک کریا تو میری اس کتاب کا بالکل مطالعہ نہ کرینگے یا اسکو سخت بُری اور تعصب کی نظر سے دیکھینگے۔ تاہم میں ان حضرات سے متاثر ہوئے بغیر انہی الفاظ کو اس کتاب کا عنوان قرار دیتا ہوں۔

نئی روشنی کے اصحاب میں یہ خیال پھیل چکا ہے کہ انجیل کی تعلیمات زندگی کی رہبری کے لئے کافی نہیں اور انسانی ضروریات کا پورا ہونا اسکے دائرۂ اثر سے بیروں ہے۔ میں اس نئی روشنی کے گروہ کو اس خیال سے باز نہیں رکھ سکتا مگر میں اوس ذریعہ کو بیان کرسکتا ہوں جس سے مجھ پر ایسی حقیقت کا انکشاف ہوا ہے جو لوگوں کے مصائب رفع کرنے کا واحد طریقہ ہے۔ ممکن ہے میرے بتائے طریقہ کو لوگ مدتوں قبول نہ کریں مگر بایں ہمہ میں نے اس کتاب کا مقصد یہ ہی رکھا ہے

مورخہ ۱۱ر جولائی ۱۹۰۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غلامی اقوام

جانوروں سے بدتر مزدور

میرا ایک شناسا جو ماسکو ریلوے میں اشیا کا وزن کرنے پر مامور ہے ایکدن دوران گفتگو میں مجھ سے کہنے لگا کہ جو قلی ترازو پر مال لادتے اتارتے ہیں وہ متواتر چھتیس گھنٹہ کام کرتے ہیں۔ اگرچہ میں واقف تھا کہ یہ شخص کبھی جھوٹ نہیں بولتا مگر پھر بھی مجھے اوسکی اس بات پر یقین نہیں آیا اور میں نے خیال کیا کہ یا تو وہ مبالغہ کر رہا ہے اور یا میں اوسکا مطلب سمجھنے میں غلطی کر رہا ہوں۔ لیکن اوسنے اون قلیوں کے حالات اسقدر وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے کہ شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اوسنے کہا کہ ماسکو میں کرسک اسٹیشن پر اس کام کے واسطے ڈھائی سو آدمی مقرر ہیں جو پانچ پانچ آدمیونکی ٹولیوں میں منقسم ہیں۔ یہ لوگ ملازم نہیں بلکہ اجرت پر کام کرتے ہیں۔ شرح اجرت یہ ہے کہ سولہ ٹن سے کچھ زیادہ مال اتارنے یا چڑھانے کا معاوضہ ڈیڑھ روپیہ سے لیکر پونے دو روپے تک دیا جاتا ہے۔ وہ صبح کو آتے ہیں، تمام دن اور رات گاڑیوں میں سے مال اتارتے ہیں۔ دوسرا دن آتا ہے جب بھی دن بھر باربرداری کرتے ہیں، گویا دو دن میں صرف ایک رات آرام کی ملتی ہے۔ یہ لوگ اٹھارہ بیس سے لیکر کم و بیش ۲۶ اسٹون وزنی گانٹھیں اتارتے چڑھاتے [illegible] گانٹھیں [illegible] لادتے ہیں [illegible] کو اٹھاکر لیجاتے

ہیں .... اسطرح یہ لوگ تقریباً ڈیڑھ روپیہ روز کماتے ہیں اور بلا تعطیلات متواتر کام کرتے ہیں۔

اس نے جو حالات بیان کیے وہ اسقدر واضح اور صاف تھے کہ کوئی شک وشبہ نا ممکن تھا تاہم میں نے فیصلہ کیا کہ بطور خود ان بیانات کی تصدیق کروں چنانچہ میں مال گودام پر گیا جہاں مجھے وہی شخص مل گیا۔ میں نے اوس سے کہا کہ جو کچھ تم نے مجھ سے کہا تھا اوسے میں بچشم خود دیکھنا چاہتا ہوں کیونکہ میں تمھارے بیان کردہ حالات جس سے کہتا ہوں وہ یقین نہیں کرتا۔ مجھے بغیر جواب دیے اوس نے ایک شخص کو اندر سے پکارا "نیکیٹا! یہاں آؤ" دروازہ میں سے ایک دبلا قلی پھٹے کپڑے پہنے برآمد ہوا

"تم نے کام کب شروع کیا تھا؟"

"کب! کل صبح"

"اور رات تم کہاں رہے؟"

"رہتا کہاں باربرداری کر رہا تھا"

(میں) کیا تم نے شب کے وقت بھی کام کیا؟

"بے شک ہم نے کیا"

"اور آج تم نے کسوقت سے کام شروع کیا ہے؟"

"صبح سے شروع کیا ہے۔ اور کسوقت سے کرتے!"

"اور کب تک کام کرتے رہوگے؟"

"جب ہمیں جانے کی اجازت ملیگی اوسیوقت ختم کرینگے"

اوس کی ٹولی کے باقی چار قلی بھی ہمارے پاس آگئے ۔ وہ سب پھٹے ہوے کوٹ پہن رہے تھے اور اگرچہ سردی صفر سے تیرہ ڈگری فارنہائٹ نیچے تھی لیکن کسی ایک کے پاس بھی اور کوٹ نہیں تھا ۔ میں امنکے کام کی لگاتار محنت کے متعلق اون سے سوال کرتا رہا اور چھتیس گھنٹہ کام کو وہ اپنے لیے اسقدر معمولی بات خیال کرتے تھے کہ میرے استفسارات اور دلچسپی لینے پر سخت متعجب تھے ۔ وہ سب دیہاتی تھے اور بعض تنہا اور بعض مع بال بچوں کے ماسکو میں رہتے تھے ۔ جو تنہا رہتے تھے وہ کچھ خرچ گھر کو بھی بھیجدیتے تھے ۔ کھانا ٹھیکہ داروں کے ساتھ کھاتے جسمیں تقریباً دس روپے ماہوار خرچ ہوتا اور ہمیشہ گوشت کھاتے ۔

وہ ہمیشہ چھتیس گھنٹہ سے زیادہ کام میں مشغول رہتے ہیں اسلیے کہ نصف گھنٹہ سے زیادہ تو مکان سے آنے جانے میں صرف ہوجاتا اور کام پر بھی ہمیشہ وقت مقررہ سے زیادہ ہی دیر لگتی ۔ کھانے وغیرہ کے اخراجات نکال کر وہ تقریباً پچیس روپے ماہوار بچا لیتے ہیں ۔ میں نے اون سے سوال کیا کہ تم لوگ اسقدر جفاکشی کا کام کیوں کرتے ہو ۔ اونہوں نے جواب دیا

"تو پھر کہاں جائیں"

"لیکن کام چھتیس گھنٹہ متواتر کیوں کیا جائے ۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ باری باری کیا جائے"

"ہم سے تو جو کہا جاتا ہے وہ کرنے لگتے ہیں"

"بے شک لیکن تم اسپر کیوں راضی ہو جاتے ہو؟"

"اسپر [illegible] راضی ہوجاتے ہیں کہ پیٹ بھرنا ہے ۔ اگر نہ راضی ہوں تو صاف جواب

یہ ملتا ہے کہ اگر راضی نہیں ہو تو یہاں سے نکل جاؤ۔ اگر کوئی ایک گھنٹہ بھی دیر سے آئے تو اوسکا پاس اوسکے منھ پر مار دیا جاتا ہے اور اوسکو فوراً نکال دیا جاتا ہے اور دس دس امیدوار ایک ایک جگہہ کے لیئے تیار رہتے ہیں"

یہ لوگ جوان تھے صرف ایک چالیس سال کا معلوم ہوتا تھا۔ سب کے چہرے دبلے اور آنکھیں ماندگی سے خمار آلود معلوم ہوتی تھیں۔ جس قلی سے میں نے سب سے پہلے باتیں شروع کی تھیں اسوقت اوسکے چہرے کی اداسی کا یہ عالم تھا کہ میں بہت زیادہ متاثر ہوا۔ میں نے اوس سے دریافت کیا کہ کیا تم نے آج شراب پی تھی؟ اوسنے نہایت سچائی کے لہجہ میں جواب دیا کہ "میں شراب نہیں پیتا ہوں اور نہ سگرٹ پیتا ہوں" میں نے کہا "تو کیا اور لوگ شراب پیتے ہیں؟" جواب ملا کہ "ہاں! یہاں شراب دوسرے لوگوں کے لیئے ضرور لائی جاتی ہے" چہل سالہ قلی بولا کہ کام بہت سخت ہے اور شراب ہمیشہ بدن میں مستعدی پیدا کرتی ہے۔

قلیوں سے کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد میں کام دیکھنے کی غرض سے گیا۔ مختلف قسم کے سامان کے انباروں سے گزر کر میں چند قلیوں کے پاس پہونچا جو مال بھری ہوئی ایک بڑی گاڑی کو ڈھکیل رہے تھے۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اپنے معمولی کام کے علاوہ قلی مال کی گاڑیاں بھی گھسیٹتے ہیں اور پلیٹ فارم سے برف بھی ہٹاتے ہیں لیکن ان دو آخر الذکر کاموں کا انہیں کوئی معاوضہ نہیں ملتا۔ شرائط مزدوری میں ایسا ہی لکھا ہے۔ یہ قلی بھی ایسے ہی دبلے اور خستہ حال تھے جیسے وہ جو پہلے ملے تھے۔ جب وہ گاڑی کو ڈھکیل کر اوسکی مقررہ جگہ پر کھڑا کر چکے تو میں اون کے پاس گیا اور دریافت کیا کہ اونہوں نے کسوقت کام شروع کیا تھا اور کھانا کسوقت کھایا تھا

معلوم ہوا کہ کام سات بجے صبح کو شروع ہوا تھا اور چونکہ کام میں مہلت نہیں ملتی ہے لہذا کھانے سے اوسیوقت فارغ ہو چکے تھے۔

"تم لوگ جاتے کسوقت ہو؟"

اونمیں سے ایک اپنی جفاکشی پر فخریہ انداز میں بولا کہ "جیسا اتفاق ہو۔ بعض وقت رات کے دس بھی بج جاتے ہیں"۔ اپنے حالات میں مجھے دلچسپی لیتے دیکھ کر سب کے سب میرے گرد جمع ہو گئے اور غالباً مجھے انسپکٹر تصور کرنے لگے۔ چنانچہ بعض مجھ سے شکایت کرنے لگے۔ اونکی خاص شکایت یہ تھی کہ جس کمرہ میں ہم بیٹھ کر تا پتے ہیں یا کبھی دن میں رات آدھ گھنٹہ آرام لیتے ہیں وہ بہت چھوٹا ہے اور آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے ہر وقت بھرا رہتا ہے۔ اس بات کی بالاتفاق سب نے شکایت کی۔ آخر میں چند نے ایک آواز ہوکر کہا کہ "بعض وقت سو سو آدمی ہوتے ہیں اور لیٹنے کی کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ یہانتک کہ الماریوں کے نیچے بھی جگہ بھر جاتی ہے۔ آپ خود ہی اپنی آنکھ سے ملاحظہ کرلیں۔ یہ قریب ہی ہے کچھ دور نہیں" کمرہ فی الواقع بڑا نہ تھا۔ ۱۶×۳۰ فیٹ کے کمرے میں زیادہ سے زیادہ چالیس آدمی تختوں پر لیٹ سکتے تھے۔ بعض لوگ میرے ساتھ ہی کمرے میں آئے اور ایک دوسرے کو کنکھیوں سے دیکھنے لگے۔ پھر چند ملکر بولے "تختوں کے نیچے بھی لیٹنے کی جگہ نہیں"

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ یہ لوگ چوبیس ڈگری پالے میں بغیر اور کوٹ کے بیس اسٹون وزن کمر پر لاد کر لیجائیں لیکن اسقدر محنت کے باوجود انکی یہ درگت ہے کہ نہ وقت پر کھا سکیں نہ پی سکیں بلکہ افسر بالادست کی اجازت کے منتظر رہیں۔ جن کی حالت باربرداری کے جانور سے بھی بدتر ہو۔ یہ لوگ صرف تنگیِ جگہ

کی شکایت کریں اور صرف اوس کمرے سے بے اطمینانی ظاہر کریں جس میں بیٹھ کر وہ خود کو گرم کرتے ہیں! پہلی نظر میں یہ بات مجھے ضرور تعجب خیز معلوم ہوئی مگر مزید حالات معلوم ہوئے تو حقیقت کھل گئی۔ معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو نہ خواب میسر ہے نہ برف سے بچنے کے لیے گرم لباس۔ بجائے آرام لینے کے اور نیند حاصل کرنے کے ادن کو تختوں کے نیچے دبکنا پڑتا ہے یہ سچ ہے کہ ان لوگوں نے محض قوت لایموت حاصل کرنے کے لیے اوس کام کو اختیار کرنا ضروری قرار دیا جو غلامی کے دور میں ذلیل سے ذلیل غلام کے ساتھ ظالم سے ظالم آقا بھی روا نہ رکھتا، نہیں بلکہ جو گاڑیبان اپنے گھوڑے کے لئے بھی روا نہ رکھتا اسلیے کہ گھوڑا ایک قیمتی جانور ہے اور ۳۷ گھنٹے کی جفاکشی اوسکی عمر کو گھٹا دیگی۔

مزدور اور ہماری بے توجہی

کسی شخص کو ۳۷ گھنٹے لگاتار کام پر مجبور کرنا ظلم کے ماسوا اقتصادی نقطۂ نظر سے بھی غیر مفید ہے تاہم انسانی جانوں کا یہ اسراف ہمارے روبرو شب و روز جاری ہے میرے مکان کے سامنے ایک ریشم کا کارخانہ ہے جو ضروریات کے لحاظ سے جدید ترقی یافتہ اصول پر بنایا گیا ہے۔ تقریباً تین ہزار عورتیں اور سات مرد اسمیں کام کرتے اور رہتے ہیں۔ اسوقت اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا میں مشینوں کا شور اور کھڑکھڑاہٹ سن رہا ہوں اور چونکہ وہاں جاچکا ہوں اسلیئے جانتا ہوں کہ یہ شور کیسا ہے۔ ایسے سخت شور میں تین ہزار عورتیں بارہ گھنٹے روزانہ چرخوں کے پاس کھڑی ڈورے بٹتی اور ریشمی مال تیار کرنے کے لیے مختلف کام کرتی ہیں۔ نو واردوں کے ماسوا سب بیمار معلوم ہوتی ہیں۔ بہت سی انمیں سے اخلاقی نقطۂ نظر سے بہت ذلیل زندگی بسر

کرتی ہیں ۔ انمیں سے جب کسی کے بچہ ہوتا ہے تو اوسے یا تو دیہات بھیجدیتی ہیں اور
یا اوس شفاخانہ بھیجدیتی ہیں جو اس کام کے لئے مخصوص ہے مگر جسمیں اسی فیصدی
بچے ضرور مرجاتے ہیں ۔ ملازمت سے علیحدہ ہوجانے کے خوف سے زچہ دوسرے تیسرے
دن ہی وہاں سے چلی آتی ہے اور اپنا معمولی کام کرنے لگتی ہے ۔ جہانتک مجھے علم ہے بیس
سال کے عرصہ میں لاکھوں جوان اور تندرست مائیں ریشمی سامان بنانے کی خاطر اپنی اور
اپنے بچوں کی جانیں ضائع کرچکی ہیں ۔

کل مجھے ایک نوجوان فقیر ملا جو یوں تو نہایت مضبوط اور تنومند تھا لیکن لنجا ہونے
کے باعث بیساکھیوں پر چلتا تھا ۔ وہ پہلے ہاتھ گاڑی کھینچا کرتا تھا ۔ ایک مرتبہ پاؤں
پھسلا اور وہ گر گیا جس سے کچھ ایسا اندرونی صدمہ پہونچا کہ پاس جو کچھ پونجی تھی وہ ڈاکٹروں
کی نذر ہوگئی ۔ اب آٹھ سال سے بھیک پر گزارا ہے اور یہ شکایت ہے کہ خدا مجھے
موت بھی نہیں دیتا ۔

اسی کے مثل کتنی زندگیوں کی قربانیاں ہیں جن کے متعلق یا تو ہمیں علم
نہیں یا ہم اون پر اسلئے غور نہیں کرتے کہ ہمارے خیال کے مطابق زندگی میں آنکھوں
کے سامنے اونکا وجود ناگزیر ہے ۔

میں ایسے آدمیوں کو جانتا ہوں جو لوہے کے کارخانہ میں ہر دوسرے ہفتہ
ایک اتوار کی چھٹی کے بدلے میں نہایت تیز بھٹیوں پر بیس گھنٹہ لگاتار کام کرتے ہیں
میں نے ان لوگوں کو بچشم خود دیکھا ہے ۔ ماندگی دور کرنے کی غرض سے وہ وڈکا
پیتے ہیں اور ریلوے قلیوں کی طرح اپنی جانوں سے قبل از وقت ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں
اور ان لوگوں کا تو ذکر ہی کیا جو تسلیم شدہ مضرت رساں کاموں پر مامور ہیں

جیسے کہ شیشہ، دیا سلائی، تمباکو، شکر وغیرہ وغیرہ کے کارخانے۔

انگریزی شمار و امداد بتاتے ہیں کہ طبقۂ اعلیٰ کی اوسط عمر پچپن سال اور ان مزدوروں کی جو مضر صحت پیشے اختیار کرتے ہیں صرف ۲۹ سال ہے۔

یہ جانتے ہوئے کہ ہم ان مزدوروں سے ایسی حالت میں فائدے حاصل کرتے ہیں اگر ہم بالکل وحشی جانور نہیں ہیں تو ہمیں ذرا بھی دماغی سکون نہیں ملنا چاہیے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مرفہ الحال لوگ جو انسانی ہمدردی کے زبانی دعوے کرتے ہیں برابر انکی محنت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اونکی جفاکشی کے صلہ میں آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ قلیوں کی ۳۶ گھنٹہ لگاتار محنت اور اونکے تنگ کرے کا حال سنکر ہم فوراً ایک انسپکٹر وہاں بھیجدیتے ہیں (جسکی تنخواہ نہایت معقول ہوتی ہے) اور قلیوں سے کہدیتے ہیں کہ بارہ گھنٹہ سے زیادہ کام مت کرو۔ اسکی وجہ سے وہ اپنی دو تہائی آمدنی سے محروم ہوجاتے ہیں۔ ہم اون غریبوں کو بسر اوقات کے لئے اون کے ہی محدود ذرائع پر چھوڑ دیتے ہیں۔ ریلوے کمپنی کو بھی مجبور کرتے ہیں کہ اونکے واسطے وسیع تر کمرے بنائے اور پھر نہایت اطمینان سے اوسی کمپنی کے ذریعہ سے اپنے مال کا لانا لیجانا شروع کردیتے ہیں۔ یہ جانکر کہ ریشم کے کارخانہ میں عورتیں اور لڑکیاں اپنی اور اپنے بچوں کی زندگیاں وطن سے دور تباہ کردیتی ہیں اور نصف سے زیادہ دھوبنیں جو ہمارے کلف دار کپڑوں پر استری کرنے اور کاتب ہماری تفریح کے لئے اخبار لکھنے میں مرض دق میں مبتلا ہوجاتے ہیں، ہم اونکی حالت پر صرف زبانی افسوس ظاہر کردیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتے۔ ریشمی سامان کی خریداری جاری رہتی ہے، کلف دار قمیصیں برابر پہنی جاتی ہیں اور اخباروں کا مطالعہ برابر ہوتا رہتا ہے۔

ہم نسبتاً دکانداروں کے اوقات اور اپنے بچوں کے اسکول میں رہنے کے وقت سے زیادہ خبردار رہتے ہیں۔ گاڑی والوں کو تاکید کرتے ہیں کہ اپنے جانوروں پر زیادہ بوجھ نہیں لادیں، یہانتک کہ مذبح میں جانوروں کے ذبح ہونے کا بھی خوب انتظام کرتے ہیں تاکہ جانور اسکو زیادہ نہ محسوس نہ کریں لیکن کسقدر حیرت کی بات ہے کہ اون لکھو کھا مزدوروں کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کرلیتے ہیں جو روزانہ ہماری نظروں کے سامنے سخت تکلیف و مصیبت کی حالت میں ہلاک ہوتے ہیں اور جنکی محنت کے ثمرات ہم اپنے آرام و آسائش میں صرف کرتے ہیں۔

سائنس اور موجودہ مظالم

اس تعجب خیز چشم پوشی کی وجہ جو ہماری سوسائٹی میں رائج ہوگئی ہے صرف یہ ہوسکتی ہے کہ لوگ جب اس قسم کے افعال شنیعہ کے مرتکب ہوتے ہیں تو وہ زندگی کا ایک ایسا فلسفہ ایجاد کرلیتے ہیں جو اونکے برے افعال کو ہر برائی سے مبرا کرکے ان دائمی قوانین قدرت کا نتیجہ ثابت کردیتا ہے جنکے تغیر و تبدل پر کسی کو اختیار نہیں۔ زندگی کا یہ رخ زمانۂ ماضی کے اس خیال سے اخذ کیا گیا ہے کہ دائمی ناقابل تغیر تقدیر الٰہی بعض لوگوں کو ادنیٰ حالت اور سخت جفاکشی کے لئے مخصوص کردیتی ہے اور بعض کو اعلیٰ مدارج اور زندگی کی جملہ آسائشوں اور مسرتوں کے لئے۔

اس مضمون پر صدہا کتابیں لکھی گئی ہیں، صدہا تقریریں کی گئیں اور اوسکے ہر پہلو پر قرار واقعی غور کرلیا گیا تھا۔ یہ کہا جاتا تھا کہ غلام اور آقا دونوں خدا کے ہیں اور دونوں کو اپنی اپنی حیثیت میں خوش و مطمئن رہنا چاہیے۔ تاہم اگر

مالک اونکے ساتھ نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کریں تو اون کی حالت زیادہ خراب نہ ہو۔ سب سے اخیر میں غلاموں کی آزادی کے بعد یہ خیال پیش کیا گیا کہ دولت خدا نے چند لوگوں کی سپرد کر دی ہے تاکہ وہ اوس کو نیک کاموں میں صرف کریں۔ اسلیے کچھ مضائقہ نہیں اگر کچھ لوگ دولتمند ہوں اور کچھ مفلس۔ اس خیال نے بالعموم سب کو اور بالخصوص دولتمند لوگوں کو مطمئن رکھا۔ یہ حالت کچھ مدت قائم رہی لیکن آخر کار وہ دن آگیا جب غربا خصوصاً اوس سے بے اطمینانی ظاہر کرنے لگے اور اپنی حالت کو بخوبی محسوس کرنے لگے لہذا جدید بیانات کی ضرورت پیش آئی جو ٹھیک اور مناسب موقع پر فوراً طیار ہو گئے۔ یہ جدید بیانات سائنس کے پردے میں رونما ہوئے۔ علم المعیشت نے یہ بتادیا کہ اوسنے تقسیم کار اور ثمرہ محنت یعنی لوگوں میں مناسب تقسیم دولت کے اصول معلوم کر لیے ہیں۔ ان اصولوں کی رو سے ثمرات سے متمتع ہونے کا انحصار کسی چیز کی ضرورت، فراہمی سرمایہ، محصولات، مزدوری، منافع وغیرہ پر اور ان چیزوں کا دار مدار اون غیر مستبدل قوانین پر ہے جنکی تابع انسان کی اقتصادی ضروریات ہیں۔

پہلے مضمون کی طرح اسپر بھی فوراً سیکڑوں کتابیں تصنیف ہو گئیں اور سیکڑوں لکچر مرتب ہو گئے۔ لیکن یہ تمام کتابیں ایسی ہی غیر واضح اور ناقابل فہم ہیں جیسے کہ بعض مذہبی رسالے اور خطبات ہوتے ہیں۔ لیکن یہ کتابیں اور لکچر اپنے مقصد میں کامیاب ہیں اور ان سے بظاہر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ چند لوگ بجا طور سے جفاکشی سے گریز کر کے دوسروں کی محنت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

اس نام نہاد سائنس کے موجدوں نے عام حالت پر سرسری نظر ڈالی تھی۔ صرف ایک چھوٹے سے ملک یعنی انگلستان کے اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع

کی حالت سے نتائج نکال لیے اور آجتک بھی اونکی صحت تسلیم کی جارہی ہے۔ حالانکہ ماہرین سائنس میں سخت اختلافات درپیش ہیں اور ابھی تک یہ بھی طے نہیں پایا ہے کہ محصولات، بیشی قیمت، منافع وغیرہ کا صحیح اور قطعی مفہوم کیا ہے۔ البتہ سائنس کے اس اصول کو سب تسلیم کیے جاتے ہیں کہ لوگوں کے باہمی تعلقات اس چیز پر مبنی نہیں ہیں جسے لوگ حق و ناحق کہتے ہیں بلکہ ان کا دارمدار شخصی فائدہ پر رکھا گیا ہے۔

یہ ایک مصدقہ امر تسلیم کرلیا گیا ہے کہ اگر سوسائٹی میں ایسے بہت سے چور و ڈاکو پیدا ہوگئے ہیں جو مزدوروں سے اونکی محنت کے ثمرات چھین لیتے ہیں تو یہ ان چوروں اور ڈاکوؤں کا قصور نہیں ہے بلکہ معیشت کے قانون ہی ایسے واقع ہوئے ہیں کہ سائنس کے تجویز کردہ انقلاب پیدا کرنے والے طریقوں سے صرف رفتہ رفتہ تبدیل کیے جاسکتے ہیں۔ اسطرح سائنس کی رہبری میں وہ لوگ جو چوری سے دوسروں کے مال و حقوق پر قبضہ کرلیتے ہیں اسکو نہایت دلچسپی اور اطمینان سے صرف کرتے رہتے ہیں۔

گو ہماری دنیا میں ایسے لوگوں کی کثرت نہیں ہے جو سائنس کے تسلی بخش بیانات کو بالتفصیل اور اپنے مذہبی بیانات سے زیادہ جانتے ہوں۔ تاہم ان بیانات کے وجود سے سب باخبر ہیں اور سب جانتے ہیں کہ ماہرین سائنس اور دیگر عقلائے زمانہ ثابت کرچکے ہیں اور برابر کر رہے ہیں کہ موجودہ حالت وہی ہے جو ہونا چاہیے تھی۔ لہذا ہم انہی حالات میں رہ سکتے ہیں کسی قسم کی تبدیلی کی کوشش فضول ہے۔

میں اپنی سوسائٹی کے افراد کی کورچشمی کا صحیح نقشہ صرف ان الفاظ سے کھینچ سکتا ہوں کہ وہ حیوانات کی حفاظت کے تو دل سے خواہاں ہیں لیکن اپنے ساتھی انسان کو نہایت ٹھنڈے دل سے پھاڑ ڈالنے کو طیار ہیں۔

سائنس کے دعووں کی بے مائگی

جب یہ اصول سائنس کی رو سے قرار پاگیا کہ بعض لوگ بعض دیگر اشخاص پر حکمراں ہوں تو مدتوں تک تو لوگ مطمئن رہے لیکن جب اس اصول کے ماتحت ظلم بہت زیادہ ہوگیا تو لوگوں میں مقابلہ کی تحریک پھیل گئی اور اس اصول کی صحت کے متعلق شکوک پیدا ہوگئے۔

اسکے بعد اب یہ مقولہ ہے کہ اقتصادی انقلاب اٹل قوانین کے ماتحت ترقی کررہا ہے جسکے اثر سے بعض کو صرف سرمایہ ہی جمع کرنا ہوگا اور بعض....... کو تمام عمر جفاکشی کرکے اوس سرمایہ میں صرف اضافہ کرنا اور اس دوران میں پیداوار کے تمام ذرائع عام کرنے کے لئے خود کو آمادہ کرنا ہوگا۔ اس مقولہ نے بھی جو بعض کو بعض پر ظلم کا اور بھی موقعہ دیتا ہے خصوصاً عوام کے دلوں میں جو سائنس کی چالبازیوں سے احمق بن گئے ہیں کچھ شکوک پیدا کرنے شروع کردیے ہیں

جب اون قلیوں پر جو ۳۔ ۷ گھنٹے لگاتار کام کرکے اپنی جانیں ہلاک کر رہے ہیں یا کارخانوں کی عورتوں، دھوبیوں، چھاپنے والوں یا ان لکھوکھا لوگوں پر نظر پڑتی ہے جو نہایت سخت خلاف فطرت غلامانہ جفاکشی کی زندگی بسر کرتے ہیں تو خود بخود یہ سوال پیدا ہوجاتا ہے کہ ان لوگوں کی یہ حالت کسوجہ سے ہوگئی ؟ اور وہ اس حالت سے کسطرح آزاد اور محفوظ رکھے جاسکتے ہیں ؟ سائنس ان سوالوں کا یہ جواب دیتی ہے کہ ان لوگوں کی یہ حالت اس وجہ سے ہے کہ ریلوے فلاں کمپنی کی ہے، ریشم کا کارخانہ فلاں کمپنی کا ہے اور دیگر کارخانجات فلاں فلاں

سرمایہ داروں کے اور یہ حالت اسطرح درست ہوسکتی ہے کہ تمام مزدور متحد ہوکر انجمنیں بنائیں، عارضی طور سے ہڑتال کریں، حکومت میں حصہ لیں اور اپنے مالکوں اور گورمنٹ پر زور ڈالیں تاکہ اون کے اوقات میں کمی ہو اور مزدوریوں میں اضافہ اور پھر تیاری مال کے تمام ذرائع اونکے ہاتھ میں آجائیں - اسطرح تمام معاملات ٹھیک ہو جائیں گے۔ فی الحال تو جیسا ہونا چاہیے تھا ہو رہا ہے اور اوسمیں کسی تغیر کی گنجائش نہیں ایک نیم خواندہ شخص خصوصاً ایک عام روسی باشندے کے لئے یہ جواب ضرور تعجب خیز معلوم ہوگا - اولاً تو یہ کہنا کہ خام پیداوار کے ذرائع سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہیں نہ قلیوں کے حق میں کوئی بات ظاہر کرتا ہے، نہ کارخانوں کی عورتوں کے حق میں، اور نہ اون لکھو کھا مزدوروں کے حق میں جو سخت اور مہلک جفاکشی سے فنا ہوے جاتے ہیں۔ جو لوگ کہ ریلوے میں کام کرتے ہیں اونکی کاشت کے ذرائع کسی سرمایہ دار کے ہاتھ میں نہیں ہیں - اونکے پاس زمینیں، جانور، ہل، پھاوڑے، اور زمیں جوتنے کے تمام آلات موجود ہیں - اسیطرح کارخانوں کی عورتیں بھی وہاں کام کرنے کے لئے اسلئے موجود نہیں ہیں کہ ان کے پاس ضروری آلات موجود نہیں - برخلاف اسکے انمیں سے بہتیری اپنے بزرگ خاندان کی مرضی کے خلاف اپنے دیہاتی گھروں کو ایسی حالت میں چھوڑ دیتی ہیں جبکہ وہاں انکے کام کی سخت ضرورت ہوتی ہے اور ان کو تمام آلات میسر ہوتے ہیں -

روس اور دیگر ممالک میں لاکھوں مزدور اسی حال میں بسر کرتے ہیں مزدوروںکی دردناک حالات کی وجہ یہ نہیں ہے کہ سرمایہ دار پیداوار کے ذرائع پر قابض ہیں - اس کی فوری وجہ وہی ہے جو انہیں مکان چھوڑنے پر مجبور کرتی ہے اور جسکا ذ... اور سائنس ہے کے اون غلط عقائد پر ہے جو انکی نجات کا پیش خیمہ بتائے جا

ہیں ۔ ریلوے یا دیگر کارخانجات کے مزدوروں کی مصیبت یہ نہیں ہے کہ وہ کم یا زیادہ دیر کام کرتے ہیں اور نہ اصلی مصیبت یہ ہے کہ وہ کارخانوں کے مالک نہیں ہیں اونکی اصلی مصیبت یہ ہے کہ اونھیں مضرت رساں اور خلاف فطرت حالات میں کام کرنا پڑتا ہے جن سے انکی زندگیاں تباہ ہو جاتی ہیں اور شہر میں ایسی زندگی بسر کرنی پڑتی ہے جو بری ترغیبوں اور بد اخلاقیوں سے پُر ہوتی ہے اور جسمیں دوسروں کے حکم پر جبر یہ کام کرنا پڑتا ہے ۔

حال ہی میں امنکے اوقات کار میں بھی کمی آگئی ہے اور مزدوریوں میں بھی اضافہ ہوگیا ہے لیکن اس سے انکی حالات میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا ۔ یہ ضرور ہوا ہے کہ اونکی عادت میں عیش پسندی اور اسراف شامل ہوگئے ہیں مثلاً گھڑیاں ریشمی لباس، سگرٹ، گوشت، شراب وغیرہ وغیرہ کے عادی ہوگئے ہیں لیکن انکی اصلی اصلاح یعنی صحت، اخلاق اور سب سے زیادہ آزادی حسب دستور مفقود ہیں ۔

جس ریشم کے کارخانہ کا میں نے ذکر کیا اس میں بیس سال قبل زیادہ تر مرد کام کرتے تھے ۔ جو چودہ گھنٹہ کام کرکے کافی کما لیتے تھے اور اپنی کمائی کا زیادہ حصہ گھر بھیجا کرتے تھے اب زیادہ تر کام عورتیں کرتی ہیں جو گیارہ گھنٹہ روزانہ کام کرکے اوسطاً پینتیس روپے ماہانہ کماتی اور مکان کو ایک پیسہ نہیں بھیجتی ہیں اور سب کا سب لباس، شراب خواری، اور دوسری برائیوں میں صرف کر دیتی ہیں ۔ اوقات کار گھٹ جانے کا صرف یہ نتیجہ ہوا کہ اب وہ وقت دوسری جگہ بری صحبتوں میں گزارا جاتا ہے ۔

یہی حال تقریباً تمام کارخانوں کا ہے۔ باوجود اوقات کار گھٹ جانے اور مزدوریوں میں اضافہ ہوجانے کے شہر کے مزدوروں کی حالت دیہاتی مزدوروں کی حالت سے کہیں زیادہ ابتر ہے۔ عمر بھی نسبتاً کم ہوگئی ہے اور اخلاقی حالت تو نہایت خراب ہے۔ اسقدر خرابی اوسیوقت ممکن ہے جبکہ انسان ایسے حالات سے بالکل دور ہوجائے جو مصلح اخلاق ہوں یعنی اہل و عیال کے ساتھ رہکر آزاد اور صحت بخش کاشتکاری کے مختلف کام نہ کرسکے۔ جیساکہ بعض ماہرین علم المعیشت کا خیال ہے غالباً یہ امر صحیح ہے کہ اوقات کار میں تخفیف، مزدوریوں میں اضافہ، اور حفظان صحت کی ضروریات مہیا ہو ہوجانے سے ملوں اور دیگر کارخانجات کے مزدوروں کی جسمانی اور اخلاقی صحت بہ نسبت پہلے کے بہتر ہوتی جاتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چند روز سے صرف بعض مقامات پر ان مزدوروں کی ظاہری حالت دیہاتی باشندوں کی ظاہری حالت سے بہتر ہوگئی ہو۔ لیکن یہ صرف اسوجہ سے ہے (وہ بھی صرف چند مقامات پر) کہ گورمنٹ اور سوسائٹی دونوں نے سائنس کے اصولوں سے متاثر ہوکر غریب دیہاتیوں کی جانب سے اعراض اور کارخانجات کے مزدوروں کی اصلاح کی جانب توجہ کرنی شروع کردی ہے۔

اگر بعض مقامات پر کارخانجات کے مزدوروں کی محض ظاہری حالت دیہاتی باشندوں سے بہتر بھی ہے تو اسکے صرف یہ معنی ہیں کہ صرف ظاہری حالت کی طرف توجہ کرکے ان تمام قیود سے زندگی کو اور دشوار بنا دیا ہے اور یہ خراب حالت ایسی نہیں کہ جس میں برسوں رہکر انسان اسکا عادی نہ ہوجائے۔ کارخانجات اور دیگر شہری مزدوروں کی اصلی مصیبت یہ نہیں ہے کہ وہ کم یا دیر تک کام کرتے ہیں (کاشتکار بعض وقت اٹھارہ گھنٹہ روزانہ بلکہ چھتیس گھنٹہ برابر کام کرکے بھی یہ ہی خیال کرتے ہیں

کہ ہماری زندگی خوشی سے گزرتی ہے)۔ اصلی شکایت درازی وقت اور قلت اجرت نہیں بلکہ اصلی شکایت یہ ہے کہ ان کی سیدھی سادی زندگی قدرتی حالات اور آزادی دونوں سے محروم ہوکر دوسروں کی مرضی پر غیر اختیاری یکسانیت پر مجبور ہوجاتی ہے۔

لہذا ان سوالات کا جواب کہ مزدوروں کی حالت اسقدر ابتر کیوں ہوئی اور اسکی اصلاح کسطرح ہوسکتی ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ ابتری کی وجہ سرمایہ داروں کا پیداوار کے ذرائع پر قابض ہوجانا ہے اور اسکی اصلاح اسطرح ہو کہ اوقات کار میں تخفیف، مزدوریوں میں اضافہ اور پیداوار کے ذرائع کو عام کردیا جائے۔

دراصل انکے صحیح جوابات اون وجوہ میں مضمر ہیں جو مزدوروں کی سیدھی سادی زندگی کو قدرتی حالات سے محروم کرکے کارخانجات کی غلامانہ زندگی میں بدل دیتے ہیں اور اون ذرائع میں جن میں وہ ایک آزاد دیہاتی زندگی کو چھوڑکر یہ جبری غلامی اختیار کرنے سے باز رکھے جاسکیں۔ اسلیے اس سوال سے قبل کہ شہری مزدوروں کی حالت ایسی ابتر کیوں ہے یہ سوال ہونا چاہیے کہ وہ دیہات چھوڑنے پر کیوں مجبور ہوے جہاں انکے اباواجداد رہتے تھے اور رہ سکتے تھے اور جہاں روس میں اب بھی اون جیسے لوگ رہتے ہیں؟ وہ کسوجہ سے اپنی خلاف منشاء اپنا وطن چھوڑکر کارخانوں کی زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہوے؟ اگر انگلستان، جرمنی، بلجیم میں ایسے مزدور موجود ہیں جنکی کئی نسلیں کارخانوں میں گزر چکی ہیں تب بھی وہ خوشی سے اس زندگی پر راضی نہیں ہیں، اسکی وجہ یہ بھی ہے کہ کسی نہ کسی طرح انکے اباواجداد اپنی بہت ہی محبوب کاشتکارانہ زندگی چھوڑکر شہری اور کارخانجات کی دشوار گزار زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہوے۔ اس حقیقت پر کارل مارکس نے روشنی ڈالی ہے۔ اوسکا قول ہے کہ اول بدمعاشی کا الزام لگاکر اُن لوگوں سے جبریہ

زمینیں چھین لی گئیں اور پھر نہایت ظالمانہ قوانین کے پردے میں سخت سے سخت وحشیانہ سزائیں دیکر انہیں مزدور بننے پر مجبور کیا گیا - لہذا اس سوال کا کہ انکی افسوسناک حالت کی کیونکر اصلاح کی جائے قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ پہلے ایسی تدابیر سوچی جائیں جن سے وہ اپنا وطن اور اچھی زندگی چھوڑ کر جلاوطنی اور بری زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہونے سے باز رکھے جاسکیں علم المعیشت نے گو سرسری طور سے اون وجوہ کی جانب اشارہ کیا ہے جنہوں نے لوگوں کو جلاوطنی پر مجبور کیا ہے لیکن ان وجوہ کے دفعیہ کی کوئی صورت تجویز نہیں کی ہے - اُس کا اصل مقصد یہ ہے کہ کارخانجات میں مزدوروں کی حالت کی اصلاح کرے لیکن اوسنے طے یہ کر لیا ہے کہ ان مزدوروں کی موجودہ حالت فی الحال ناقابل تغیر ہے -

اگرچہ تمام عقلا انسانی خوشی کا راز کاشتکاری زندگی میں بتاتے ہیں اور تمام کام کرنے والے جنکی عادت بگڑ نہیں گئی ہے کاشتکاری کو ہر محنت پر ترجیح دیتے ہیں کارخانجات کا کام ہمیشہ مضر صحت و یکسانیت کے لوازم سے معرّا اور کاشتکاری کا کام نہایت صحت بخش اور اخلاقی برائیوں سے پاک ہوتا ہے - کاشتکار مقابلتاً بہت آزاد ہوتا ہے جب چاہے کام کرے جب چاہے آرام - برخلاف اسکے کارخانجات میں مشینوں کی پابندی کی وجہ سے کام پر مجبور ہونا پڑتا ہے - کارخانوں کے کام فروعی ہیں اور کاشتکاری کے اصولی - ان تمام باتوں کے باوجود علم المعیشت کے ماہرین کہتے ہیں کہ رفتہ رفتہ تمام کاشتکار کارخانوں میں آجائینگے اور یہ تبدیلی نہ صرف غیر مضرت رساں ہے بلکہ ایسی ہے کہ خود دیہات کے باشندے جسکے خواہشمند اور جسکے حاصل کرنے میں کوشاں ہیں -

ماہرینِ علم المعیشت کی دروغگوئی

اگرچہ ماہرین سائنس انسانی فلاح کو اوسی میں مضمر بتاتے ہیں جو انسانی احساسات کے لئے سب سے زیادہ قابل نفرت شے ہے یعنی کارخانوں کی جفاکشی، لیکن اونکا یہ بیان ٹھیک اوسی طرح ہے جسطرح کہ پہلے علمائے مذہب کا یہ خلاف انصاف بیان تھا کہ مالک اور غلام دو مختلف حیثیتیں ہیں اور یہاں کی غیر مساوی حالت کا اجر غلاموں کو دوسری دنیا میں مل جائیگا - اس خلاف انصاف بیان کی وجہ یہ ہے کہ سائنس کے اصول قائم کرنے والے دولتمند طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے مفید مطلب حالات کے جنمیں وہ ہمیشہ رہتے ہیں اسقدر عادی ہو گئے ہیں کہ دوسرے حالات میں سوسائٹی کے قیام اور وجود کا تصور بھی نہیں کر سکتے - دولتمند طبقہ ان اشیائے مختلفہ کا عادی ہو گیا ہے جو موجودہ طریق کار کے ذریعہ سے موجودہ کارخانوں میں بنائی جاتی ہیں -

اسلیے جب مزدوروں کی اصلاح کا سوال پیدا ہوتا ہے تو سائنس داں اصحاب ہمیشہ اس پر نظر رکھتے ہیں کہ کارخانوں کی پیداوار کے مختلف طریقوں میں جو آجکل رائج ہیں فرق نہ واقع ہو تاکہ اونکے اپنے آرام و آسائش میں خلل نہ واقع ہو -

ترقی یافتہ ماہرین سائنس بھی (یعنی وہ سوشیلسٹ جو پیداوار کے ذرائع یکسر مزدوروں کے ہاتھ میں دیدینا چاہتے ہیں) اسی کے خواہشمند ہیں کہ موجودہ اشیا اسوقت جس تقسیم کار کے اصول پر کارخانوں میں بن رہی ہیں اسیطرح بنتی رہیں - اونکے خیال سے فرق صرف اسقدر ہوگا کہ آئندہ چل کر اس آرام و آسائش سے نہ صرف تنہا فائدہ اٹھائیں گے بلکہ یہ فائدے عام ہو جائینگے اور تمام لوگ ان سے مستفید ہو سکیں گے -

جب پیداوار کے ذرائع عام ہوجائیں گے تو وہ خود بھی یعنی تمام سائنس دان اور دولتمند
طبقہ بھی کام کرے گا گو یہ کام مینجری یا سائنس اور صنعت وحرفت کے محکموں میں اعلیٰ
عہدوں تک محدود رہیگا - لیکن جب ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ ڈھلائے چڑھا کر
سیسہ کا کام کون کریگا؟ بھٹی کون جھونکیگا؟ کانوں میں کام کون کریگا؟ چوبچے کون
صاف کریگا؟ یا تو وہ خاموش ہوجاتے ہیں یا یہ کہدیتے ہیں کہ رفتہ رفتہ یہ کام بھی ترقی
پاکر دلچسپ ہوجائیں گے - انکا بہترین اور مکمل معیار تمام دنیا اور سائنس کی اقتصا
دی حالت کے متعلق بس یہ ہی ہے - ان کے مقولہ کے نزدیک تمام مزدور انجمنیں اور
سبھائیں اسٹرائک کرنے اور حکومت میں حصہ لینے میں متحد الخیال ہوجائیں گے یہانتک
کہ پیداوار کے ذرائع اور زمینیں دونوں انکے قبضہ میں آجائیں گی اور پھر انکو ایسی لذیذ
اغذیہ اور عمدہ لباس میسر ہونگے کہ پختہ عمارت اور آتشدانوں کے دھوئیں کو کاشتکاری
کی آزاد زندگی پر ترجیح دینے لگیں گے اور صحت بخش زندگی کی بہ نسبت یکساں غیر
متبدل اور نقصان دہ زندگی کو پسند کرنے لگیں گے - یہ پیشین گوئی ایسی ہی خلاف قیاس
ہے جیسی کہ مذہبی علما کی یہ بات کہ مزدوروں کی موجودہ جفاکشی کے معاوضہ میں دوسرے
جہان میں جنت ملیگی تاہم آج بھی تعلیم یافتہ اصحاب اس مقولہ کو اسی طرح تسلیم کرتے ہیں
جسطرح پچھلے عقلا معاوضہ والی جنت کے قائل تھے - لیکن تعلیم یافتہ اصحاب اور انکے
ہمخیال اس وجہ سے اس کا یقین کرتے ہیں کہ انکے پاس کوئی دوسرا چارۂ کار نہیں - وہ
در اصل مخمصہ میں پھنس جاتے ہیں - جن چیزوں کو وہ روزانہ بلا مشقت اپنے آرام کی خاطر
استعمال کرتے ہیں وہ ان لوگوں کی محنت اور جفاکشی کا نتیجہ ہوتی ہیں جو انکی تیاری میں
اپنے [illegible] ہلاک کر دیتے ہیں - لہذا وہ لوگ جو بلا مشقت ان سے فائدہ حاصل کرتے

ہیں در اصل سخت بے غیرت ہوئے - اس بے غیرتی سے بچنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہی تسلیم کرنا چاہیے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ قوانین علم المعیشت کے مطابق ہے اور اوسمیں فوائد عامہ مضمر ہیں - یہ ہی سائکولوجی کا مسئلہ ہے جو در پردہ عقلا اور تعلیم یافتہ اصحاب کو یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے اور اسطرح خود غرضی کی وجہ سے یہ ایک غیر صحیح اصول تسلیم کر لیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ فوائد عامہ کا تقاضا یہ ہی ہے کہ مزدور عمدہ صحت اور سادہ زندگی چھوڑ کر اپنی تباہی کے لیے کارخانوں میں آئیں -

سوشیلسٹ کا معیار خیال

لیکن اگر یہ بیان تسلیم بھی کر لیا جائے (جو واقعات اور انسانی فطرت دونوں کے خلاف ہے) کہ لوگوں کی بہتری اسی میں ہے کہ بجائے آزاد دیہاتی زندگی کے کارخانوں کی ذلیل پابندی اختیار کریں تو بھی اس معیار خیال میں جو بقول ماہرین سائنس معاشی ترقی کا مطمح نظر ہے اجتماع ضدین واقع ہو جاتا ہے - معیار یہ ہے کہ مزدور پیداوار کے تمام ذرائع پر قابض ہو کر اسی آرام و آسایش سے متمتع ہونے لگیں گے جس سے اب دولتمند لوگ ہوتے ہیں - عمدہ لباس، عمدہ مکان، عمدہ اور روشن سڑکیں، تھیٹر، تماشے، موٹر گاڑیاں وغیرہ سب کچھ اون کو میسر ہوگا - لیکن چونکہ ہر شخص کچھ نہ کچھ اشیا رکھ سکیگا اسلیے ضروری ہے کہ ان کی صناعی کی تقسیم حصہ رسدی ہو چکنے کے بعد قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہر مزدور کتنی دیر تک کام کرے - اعداد و شمار سے قدرے اس کا تو پتہ چل سکتا ہے کہ اوس سوسائٹی میں لوگوں کی کیا ضروریات ہیں جو سرمایہ، مقابلہ، اور احتیاج کی زنجیروں سے جکڑی ہوئی ہے

اور کن اشیا کی ضرورت ہے جو پیداوار کے ذرائع پر از خود قابض ہونگی یعنی جس سوسائٹی ہیں
لوگ آزاد ہونگے ۔ ایسی سوسائٹی کی ضروریات کا تعین نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ پورا ہونے
کے امکان سے ہمیشہ زیادہ رہینگی ۔ ہر شخص کی یہی خواہش رہیگی کہ وہ اتنا دولتمند
ہو جائے جسقدر کہ اس وقت بڑے سے بڑا دولتمند ہے ۔ اسلیے یہ بتانا بالکل ناممکن
ہے کہ ایسی سوسائٹی کے لیے کسقدر مقدار کافی ہوگی ۔ اسکے علاوہ لوگوں کو ایسی اشیا
بنانے کے لئے کسطرح مجبور کیا جائیگا جو بعض کے نزدیک ضروری و مفید اور بعض کی رائے
میں بالکل غیر ضروری اور مضرت رساں ؟

فرض کر لیا جائے کہ سوسائٹی کی ضروریات پورا کرنے کے لیے ہر ایک کو
چھ گھنٹہ روزانہ کام کرنا پڑے لیکن ایسی آزاد سوسائٹی میں ان چھ گھنٹہ میں ایسا کام کرنے
کو جس کو کام کرنے والا نہ صرف غیر ضروری بلکہ نقصان دہ بھی خیال کرتا ہو کون کسے
مجبور کر سکتا ہے ؟

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آجکل مشینوں خصوصاً تقسیم کار کے مکمل
اصول کی وجہ سے انواع و اقسام کی اشیا نہایت کم محنت سے تیار ہو جاتی ہیں جو لطف یہ
کہ صناعوں کو علیحدہ منافع بخش اور ہمیں علیحدہ آرام دہ اور مفید لیکن اس سے یہ نہیں
ثابت ہوتا کہ آزاد لوگ بھی ان اشیا کو بلا جبر و اکراہ اسیطرح بناتے رہیں گے ۔ یہ صحیح ہے
کہ موجودہ تقسیم کار کے اصول پر ایک شخص نہایت ہوشیاری اور پھرتی سے توپیں بناتا ہے
دوسرا ریشمی سامان، تیسرا رنگ نکھارنے والا پوڈر اور چوتھا نہایت خوش ذائقہ شراب ۔
یہ بھی صحیح ہے کہ ان اشیا کے استعمال کرنے والوں اور اون کارخانوں کے مالکوں کے لئے جہاں
... ... نہایت مفید اور منافع بخش ہیں لیکن انکی ضرورت صرف اون لوگوں

کو ہے جو یا تو چینی بازار کے دلدادہ ہیں اور یا شراب کے دلدادہ ہیں یا اپنے رنگ کے نکھار کے بہت شائق ہیں۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ان اشیا کی ساخت کو مضرت رساں خیال کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ہمیشہ پائے جائینگے جو ان اشیا کے علاوہ نمائش درسگاہ شراب اور گوشت کو غیر ضروری بلکہ مضر خیال کریں گے۔ ان لوگوں کو ایسی اشیا کی طیاری میں کسطرح مددگار بنایا جا سکیگا۔ لیکن اگر ایسا ذریعہ تلاش بھی کر لیا جائے جس سے سب لوگ بعض اشیا کی طیاری میں شریک کار ہونے پر راضی ہوجائیں (کو جبر کے سوا ایسا کوئی ذریعہ نہیں) پھر بھی ایسی آزاد سوسائٹی میں جسمیں پیدادار کا انحصار سرمایہ پر نہ ہو، نہ مقابلہ اور ضرورت کے قانون کو دخل ہو، یہ فیصلہ کون کرسکتا ہے کہ کن اشیا کو ترجیح ہوگی؟ پہلے کیا بنے اور بعد کو کیا؟ پہلے ریلیں بنائی جائیں یا پختہ سڑکیں؟ بجلی کی روشنی یا آبپاشی کی نہریں؟ آزاد سوسائٹی کے متعلق پھر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے جسکا حل دشوار ہے کون کیا کام کرے؟ ظاہر ہے کہ ہر شخص صاف ستھرے کام کو جو سہل بھی ہو اپنے لیے پسند کریگا۔ ہر شخص کو اوسکے مفوضہ کام پر کیونکر راضی کیا جائیگا؟

اعداد و شمار سے ان سوالات کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔ انکا حل صرف زبانی ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کو ایسے اختیارات دیے جائیں گے اور بعض کو ویسے۔ بعض کو حاکم بنا دیا جائیگا اور بعض سے اطاعت کرائی جائے گی۔ لیکن پیدادار کے ذرائع عام کر دینے کے بعد ان باتوں کے علاوہ ایک اور اہم سوال پیدا ہوگا یعنی اوس سوسائٹی میں تقسیم کار کی مقدار مقرر کر دینا۔ اس وقت تقسیم کار کا اصول مزدوروں کی ضروریات پر مبنی ہے۔ ایک مزدور اپنی تمام عمر زمین کے اندر بسر کرنے یا مشینوں کے شور و شر میں گزارنے پر اسوجہ سے راضی ہوجاتا ہے کہ بسر اوقات کا کوئی دوسرا ذریعہ میسر نہیں،

لیکن جو مزدور پیداوار کے ذرائع پر قابض ہو اور احتیاج کی مصیبت سے محفوظ، صرف جبر سے ایسے کام پر آمادہ کیا جا سکتا ہے جو مخرب صحت اور مخرب اخلاق ہو۔ تقسیم کار کا اصول بے شک نہایت مفید اور فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ لیکن اگر لوگ آزاد ہیں تو تقسیم کار صرف ایک معین و محدود حالت تک ممکن ہے جو آجکل ہماری سوسائٹی میں اعتدال سے بہت زیادہ تجاوز کر گئی ہے۔

اگر ایک شخص کپڑا بناتا ہے، دوسرا جوتہ، اور تیسرا آہنی سامان اور ہر ایک نے اپنے اپنے کام میں مہارت تامہ حاصل کر کے اپنی پیداوار کا ایک دوسرے سے تبادلہ کر لیا تو یہ تقسیم کار سب کے حق میں فائدہ مند ہوگی اور آزاد لوگ بھی فطرتاً اپنا کام اسی اصول پر کریں گے۔ لیکن ایسی تقسیم کار جس سے ایک شخص تمام عمر میں کسی چیز کا صرف سواں حصہ بناتا ہے یا بھٹی پر ایک سو چالیس ڈگری گرمی میں کام کر کے نقصان دہ گیسوں سے ہلاک ہو جاتا ہے محض غیر مفید ہے اسلیے کہ گو وہ بعض حقیر اشیا میں اضافہ کرتی ہے لیکن سب سے زیادہ قیمتی چیز یعنی انسانی زندگی کو برباد کر دیتی ہے۔ لہذا ایسی تقسیم کار جیسی کہ اسوقت موجود ہے صرف اوس جگہ ممکن ہے جہاں جبر سے کام لیا جائے۔

روڈ برٹس کا قول ہے کہ عام اور وسیع تقسیم کار لوگوں کو متحد کرتی ہے۔ یہ قول صرف اس حد تک صحیح ہے کہ صرف وہ تقسیم کار متحد کرتی ہے جسے لوگ اپنی مرضی سے اختیار کریں۔ اگر لوگ سڑک بنانے کا فیصلہ کریں اور ایک کھودے، دوسرا اینٹیں لائے تو اس قسم کی تقسیم کار متحد کرتی ہے۔ لیکن اگر انکی خواہشات سے قطع نظر کر کے، بلکہ بعض وقت خواہش کے خلاف، ایسی حماقت کی چیزیں بنوائی جائیں جیسی کہ پیرس کی نمائش میں بکثرت پائی جاتی ہیں تو ایسی تقسیم کار لوگوں کو نہ صرف متحد نہیں کرتی بلکہ اور جدا کرتی ہے

اس لئے اگر پیداوار کے ذرائع عام ہو گئے اور لوگ آزاد، تو وہ صرف اوس تقسیم کار کو اختیار کریں گے جس کے فوائد اون برے اثرات سے زیادہ ہوں جو مزدوروں کو درپیش ہونگے اور چونکہ ہر شخص اپنی قوتوں کو وسیع کرنے اور مختلف شاخوں میں پھیلانے کی جانب قدرتاً مائل ہوتا ہے اسلیے ایک آزاد سوسائٹی میں اس قسم کی تقسیم کار جیسی کہ اسوقت رائج ہے بالکل ناممکن ہے۔ یہ خیال کرنا کہ پیداوار کے ذرائع عام ہو جانے کے بعد بھی سامان کی بھی کثرت باقی رہے گی جو اسوقت ہے ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ فرض کرنا کہ غلاموں کے آزاد ہونے کے بعد بھی پراشوث تماشے، تھیٹر، قالین، لیسیں اور خوبصورت و شاندار باغات جو ان غلاموں کی محنت کا نتیجہ تھے اسی طرح باقی رہیں گے جسطرح پہلے تھے (پہلے زمانہ میں اکثر اوقات یہ کام غلام کیا کرتے تھے) اسلیے یہ خیال کرنا کہ سوشلیسٹ فرقہ کا معیار خیالی پورا ہو جائیگا تو ہر شخص آزاد بھی ہوگا اور وہ تمام چیزیں بھی ہر ایک کو بآسانی میسر ہونگی جو آج کل دولتمند استعمال کرتے ہیں صاف اجتماع ضدین ہے

تہذیب یا آزادی

رسم غلامی کے وقت جو ہوتا تھا ٹھیک وہی آج بھی ہو رہا ہے - اوسوقت غلاموں کے مالکوں اور دولتمند طبقہ کی کثرت غلاموں کی ناقابل اطمینان حالت کو تسلیم کرنے کے باوجود بھی صرف ایسے تغیرات کو پسند کرتی تھی جن سے اونکے اقتدار اور فوائد میں کمی نہ آتی تھی اسیطرح اب دولتمند طبقہ آجکل اسکا اقرار کرتے ہوے کہ مزدوروں کی حالت قابل اطمینان نہیں اوس کی اصلاح کے صرف ایسے طریقے پیش کرتا ہے جن سے خود اونکے آرام و آسائش میں خلل نہ پڑے - جسطرح کہ پہلے بعض اچھے اور مہربان آقا پدرانہ شفقت کا ذکر

کرتے ہوئے دوسروں کو اپنے غلاموں پر مہربانی اور اون سے اچھا سلوک کرنے کی ہدایت کیا کرتے تھے لیکن اون کی آزادی کے مسئلہ کو نہ صرف ناقابل برداشت خیال کیا کرتے تھے بلکہ خطرناک اور نقصان دہ بھی۔ اسیطرح دولتمند لوگ آج ایک دوسرے کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے مزدوروں کا خیال رکھیں لیکن خود اپنی زندگی کو ایسے کفایت شعارانہ اصول پر چلانے کا خیال بھی نہیں کرتے جس سے مزدوروں کو آزادی ملسکے ۔

جسطرح لبرل (یعنی آزاد خیال لوگ) یہ خیال کرکے کہ رسم غلامی ناگزیر ہے اوسوقت مالکان کے اختیارات کو صرف محدود کرنے کا مطالبہ کیا کرتے تھے اور غلاموں سے اونکی تحریک شورش پر ہمدردی ۔ اسی طرح آج بھی تمام لبرلز موجودہ حالات کو ناگزیر خیال کرکے حکومت سے صرف یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ سرمایہ داروں اور مالکوں کے اختیارات محدود کردیے جائیں اور مزدوروں کی انجمنیں اور اونکی ہڑتال اور شورش سے ہمدردی کرتے ہیں ۔ اور جسطرح پہلے زیادہ ترقی یافتہ لوگوں نے غلاموں کی آزادی کے مطالبہ کے ساتھ ایسی تجویز پیش کی تھی جس سے تمام غلام پرائیوٹ زمینداروں کے ماتحت اور محصولات اور مالگذاریوں کی زنجیروں میں جکڑ کر رہ جاتے اسیطرح آج بھی زیادہ ترقی یافتہ اصحاب پیداوار کے ذرائع عام کردینے اور مزدوروں کو سرمایہ داروں کے پنجہ سے آزاد کرنے کے مطالبہ کے ساتھ اون غریبوں کو موجودہ اصول تفویض اور تقسیم کار کے شکنجہ میں چھوڑ دینا چاہتے ہیں جو اونکے خیال سے اسیطرح قائم رہنا چاہیے۔ علم المعیشت کے تمام اصول جنکو بلا غور وفکر اس طبقہ نے تسلیم کرلیا ہے جو خود کو روشن خیال اور ترقی یافتہ خیال کرتا ہے سرسری نظر ڈالنے سے نہایت ضروری اور آزادی کے موافق معلوم ہوتے ہیں اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ... طبقہ ... سے سخت حملہ ہوتا ہے۔ لیکن دراصل یہ اصول نہایت ظالمانہ

اور انتہا سے زیادہ قدامت پسندانہ ہیں۔ الغرض ماہرین سائنس اور اونکے ہمراہ دولتمند طبقہ یہ چاہتا ہے کہ بہرحال موجودہ تقسیم کار کا اصول ضرور باقی رہے تاکہ اس سامان کی کثرت میں کمی نہ واقع ہو جو اونکے زیر استعمال ہے اور اس موجودہ معاشرتی نظام کو وہ لوگ تہذیب کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس تہذیب یعنی ریلوے، تار، ٹیلیفون وغیرہ وغیرہ میں وہ تبدیلی کا خیال بھی نہیں کرتے اور کسی طرح گوارا نہیں کرتے کہ یہ چیزیں برباد ہوجائیں یا اونکا وجود خطرہ میں پڑجائے اسلیے کہ اونکے نزدیک سائنس کے اصولوں کے مطابق سوائے اس تہذیب کے ہر دوسری چیز بدلی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ روز بروز روشن ہوتا جاتا ہے کہ یہ تہذیب صرف اوسوقت تک قائم رہ سکتی ہے جبتک کہ مزدور کام پر مجبور رہیں۔ تاہم ماہرین سائنس اس تہذیب کی عمدگی کے اسقدر قائل ہیں کہ مقنّن کے قول "انصاف ہونے دو خواہ دنیا برباد ہوجائے" کے برعکس نہایت دلیری سے کہتے ہیں "تہذیب کو رہنے دو خواہ انصاف برباد ہوجائے"۔ نہ صرف وہ یہ کہتے ہیں بلکہ اسپر عامل بھی ہیں۔ عمل اور قول دونوں میں ہر چیز تبدیل کی جاسکتی ہے مگر اونکے نزدیک وہ سامان ناقابل تبدیلی ہے جو کارخانوں میں بنتا اور ان دکانوں میں فروخت ہوتا ہے۔

لیکن میرے خیال سے ان روشن خیال اصحاب کو جو عیسائی قانون اخوت اور ہمسایہ نوازی کے قائل ہیں اسکے بالکل برعکس کہنا چاہیے۔ بجلی کی روشنی، ٹیلیفون، باغات تھیٹر، تماشے، سگار، موٹر کار، ریلوے وغیرہ وغیرہ سب نہایت عمدہ چیزیں ہیں۔ لیکن اگر انہیں بنانے کی خاطر ننانوے فیصدی انسانوں کو جو فیکٹریوں اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں غلامی کی زندگی بسر کرنی پڑے تو بہتر ہے کہ یہ سب چیزیں نیست و نابود ہوجائیں۔ اگر محض اسوجہ سے کہ لندن اور پیٹرزبرگ میں بجلی کی روشنی رکھی جائے، نمائش [illegible]

تعمیر ہوں، خوبصورت رنگ بنائے جائیں، یا عمدہ کپڑے جلد اور بکثرت طیار ہوں، یہ ضروری ہے کہ چند زندگیاں بھی تباہ و برباد ہوجائیں (اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ بہت سی تباہ ہو جاتی ہیں) تو یہ کہنا پڑے گا کہ لندن اور پیٹرزبرگ میں خواہ گیس یا تیل جلے، نمائشیں، رنگ اور دوسرا اسامان عشرت خواہ نہ وجود میں آئے مگر انسانی زندگیونکی بربادی اور غلامی کے معاوضہ میں تو یہ چیزیں ہرگز نہ حاصل کی جائیں۔ ایسی حالت میں وہ لوگ جو فی الواقع روشن خیال ہیں وہ گھوڑوں کے سفر بلکہ اپنے ہاتھ سے زمین جوتنے تک کو ریل کے سفر اور دیگر ایسے افعال پر ترجیح دینگے جنکا نتیجہ مخلوق خدا کی جانوں کا زیاں ہو۔ اصلی روشن خیال لوگوں کا قول یہ ہونا چاہیے کہ "انصاف رہے خواہ تہذیب جاتی رہے" نہ کہ اسکے برعکس۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسطرح مفید اور حقیقی تہذیب ہرگز برباد نہ ہوگی۔ یہ نتیجہ نہیں ہوگا کہ لوگ پھر لکڑی سے ہل جوتیں اور مشعلیں جلائیں۔ ہزاروں انسانوں نے غلامانہ زندگی بسر کرکے جو ترقی کی ہے وہ فضول نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ اپنی خوشی کی خاطر ہمیں اپنے بھائیوں کی جانیں ہلاک نہ کرنی چاہئیں تو یہ ممکن ہوگا کہ انکو بغیر ہلاک کیے تمام مخصوص ترقیوں سے فائدہ اٹھایا جا سکے اور زندگی کی ایسی تنظیم ہو سکے کہ تمام نوایجاد طریقے جن سے ہم قدرتی مظاہرات پر قابو پاتے ہیں ہمارے لئے سودمند ثابت ہوں۔ ان طریقوں کے استعمال کے لئے انسانی غلامی ناگزیر شرط نہیں ہے۔

ایک غلامی کی بجائے دوسری غلامی

اگر کسی دوسری دنیا کا کوئی شخص آئے جو ہماری تاریخ اور قوانین سے بالکل ناواقف ہو اور اپنی زندگی کے مختلف پہلو دکھاکر ہم اوس سے دریافت کریں کہ اوسپر

ہماری دنیا کی طرز معاشرت کا کیا اثر پڑا تو یقیناً وہ یہ ہی بتائے گا کہ یہاں کے چند لوگ ایسے ہیں جو صاف اور ستھرے رہتے ہیں، ان کے مکانات عمدہ، لباس عمدہ، غذا عمدہ، اور کام تھوڑا بلکہ انمیں سے متعدد ایسے ہیں جو مطلق کام نہیں کرتے اور دوسروں کی کتنے ہزاروں برس کی کمائی اپنی خوشی، دلچسپی اور اپنی تفریح کی خاطر صرف کرتے ہیں۔

ان چند باشندوں کے علاوہ کثرت ایسی ہے جن کو نہ کھانا میسر ہے نہ کپڑا، دن بھر اور بعض اوقات رات بھر سخت محنت اور جفاکشی میں بسر کرتے ہیں اور ان چند کے آرام کی خاطر اپنی جانیں ہلاک کرتے ہیں۔

اگر آج غلاموں اور مالکوں میں ایسی حد فاصل قائم کرنا دشوار ہے جیسی کہ ماضی میں تھی، اگر آج غلام صرف عارضی اور نام کے کہے جاتے ہیں جو بعد میں خود مالک بن جاتے ہیں یا ایسے ہیں جو ایک ہی وقت میں غلام بھی ہیں مالک بھی تو یہ گھیل میل اس حقیقت کو نابود نہیں کر دیتا کہ آج بھی غلاموں اور مالکوں کا وجود موجود ہے۔ یہ مانا کہ آج کسی مالک کے پاس کوئی خاص غلام زید نہیں ہے جسے وہ غلام کہہ کر اپنا جوتا صاف کرنے بھیج سکے لیکن اسکے پاس روپے کی غیر معمولی مقدار موجود ہے اور ہزاروں زید اسکے ایسے ضرور تمند ہیں کہ مالک اونمیں سے جسے چاہے پسند کرے، جس کا چاہے محسن و مالک بن جائے اور اوسے جو بچے میں اتار دے۔

ہمارے زمانہ کے غلاموں میں صرف وہی مزدور شامل نہیں ہیں جو بقائے حیات کی خاطر خود کو مجبوراً کارخانوں اور فیکٹریوں میں فروخت کرتے ہیں بلکہ تمام کاشتکار بھی جو دوسروں کی فصل پیدا کرتے ہیں اور نہایت محنت سے دوسروں کے گودام میں اناج جمع کرتے ہیں، یا اگر اپنی زمین جوتتے ہیں تو صرف بنک کو قرضہ کا سود دینے کے لئے جس سے

بچنے کی ان غریبوں کو کوئی صورت نہیں ۔ اسی طرح تمام دربان، باورچی، حاجب، کوچبان وغیرہ وغیرہ بھی غلام ہیں جو اپنی زندگی ایسے خلاف فطرت کاموں میں گزارتے ہیں جسے وہ خود بھی ناپسند کرتے ہیں ۔

یہ اور بات ہے کہ ہم اوسے نہ دیکھیں لیکن غلامی موجود ہے اور پوری پوری موجود ہے۔ اسیطرح اٹھارویں صدی کے اختتام پر یورپ میں ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کی غلامی نظر انداز کر دی جاتی تھی اسیطرح آج اس غلامی کا بھی احساس نہیں ہے ۔ اوس زمانہ کے لوگ خیال کرتے تھے کہ جو لوگ اپنے مالکوں کے واسطے زمینیں جوتنے پر مجبور تھے اونکی وہ حیثیت قدرتی اور ناگزیر اقتصادی حالت پر مبنی تھی اور وہ غلامی نہ تھی ۔ ٹھیک اسی طرح آجکل بھی مزدوروں کے متعلق یہی خیال کیا جارہا ہے ۔

اور جسطرح کہ اٹھارویں صدی کے بعد یورپ کے لوگ رفتہ رفتہ سمجھنے اور محسوس کرنے لگے کہ کاشتکاروں کی جس زندگی (یعنی مالکان کے ساتھ اونکا غلامانہ تعلق) کو وہ قدرتی اور ناگزیر اقتصادی حالت پر مبنی خیال کرتے تھے وہ در اصل نہایت ناجائز، خلاف انصاف، اور بد اخلاقی پر مبنی تھی ۔ چنانچہ اٹھارویں صدی کے بعد اسمیں تغیرات کے مطالبے ہونے لگے ۔ اسیطرح اب لوگ مزدوروں کے متعلق محسوس کرنے لگے ہیں کہ ان کی جو حالت قابل اطمینان معلوم ہوا کرتی تھی در اصل ایسی نہیں جیسی کہ ہونی چاہیے اور اسمیں تغیر کی ضرورت ہے ۔

ہمارے زمانہ کی غلامی کا مسئلہ اونہی مدارج میں ہے جنمیں کہ یورپ کے ادنیٰ درجہ کے طبقہ کا مسئلہ اٹھارویں صدی کے اختتام میں تھا اور جن میں ہمارے ادنیٰ طبقہ اور امریکہ کی غلامی کا انیسویں صدی کی وسط میں ۔ آجکل مزدوروں کی غلامانہ حالت کا

احساس ہماری سوسائٹی کے ارکان رفتہ رفتہ کرتے جاتے ہیں - لیکن اکثریت ابھی اسی جانب ہے کہ سوسائٹی میں غلامی کا وجود نہیں ہے -

ایک بات جس سے لوگوں کو اپنی حالت کے متعلق غلط فہمی ہو رہی ہے یہ ہے کہ روس اور امریکہ میں رسم غلامی حال ہی میں متروک ہوئی ہے - لیکن در اصل ادنیٰ طبقوں کی محکومیت اور رسم غلامی کا اڑ جانا اوس شے کا اڑ جانا تھا جو خود بخود مفقود اور غیر ضروری ہو چلی تھی اور ایک پوشیدہ قسم کی غلامی کا آجانا تھا جس میں کثیر التعداد لوگ جکڑے ہوئے ہیں - یہ غلامی کا اڑا دینا ایسا ہی تھا جیسا کہ کریمیا کے تاتاریوں نے اپنے اسیروں کو رہا کیا تھا جن کے تلووں میں زخم بنا کر کانٹے لگا دیے تھے اور بیڑیاں ہتکڑیاں اتار لی گئی تھیں - روس اور امریکہ میں بھی ظاہرا گو پہلی سی غلامی نہیں رہی تھی لیکن معنًا غلامی میں کوئی فرق واقع نہوا تھا اسلیے کہ کانٹے چبھوئے جا چکے تھے اور یہ یقین ہو چکا تھا کہ بغیر ہتکڑی بیڑی کے بھی قیدیوں کو سوائے کام کرنے کے کوئی چارہ نہ تھا -

ہمارے ہاں روس میں کاشتکاروں کی غلامی صرف اوس وقت اُڑی جب تمام زمین ضبط کر لی گئی اور جہاں کاشتکاروں کو بخشی گئی تو قرض کے بار میں دب رہی تھی یعنی زمین کے مالک کی غلامی گئی تو قرض کی وجہ سے دوسری غلامی آگئی - یورپ میں محصولات جنھوں نے لوگوں کو مجبور کر رکھا تھا اوسوقت اٹھائے گئے جب زمینیں انکے ہاتھوں سے نکل چکی تھیں، کاشتکاری کی مشق جاتی رہی تھی اور شہری زندگی کا مزا چکھ کر لوگ سرمایہ داروں کے قبضہ میں آ چکے تھے - اوسکے بعد ہی انگلستان میں بھی اناج کے محصولات میں تخفیف ہوئی تھی اور اب جرمنی اور دیگر ممالک میں بھی ایسے محصولات جنکا بار صرف مزدوروں پر تھا دولتمند طبقہ کی جانب منتقل کیے جا رہے ہیں صرف اس غرض سے کہ آدمیل

کی کثیر تعداد سرمایہ داروں کے ہاتھ میں آچکی ہے۔ غلامی کی ایک شکل اوسوقت تک نہ اڑائی جاسکی جب تک کہ دوسری پہلے سے اوسکی جگہ نہ قائم ہوگئی۔ ایسی شکلیں متعدد ہیں۔ ایک یا دوسری (اور بعض وقت چند یکجا ملکر) آدمی کو غلامی میں جکڑ دیتی ہیں۔ یعنی حالات اسطرح درپیش ہوتے ہیں کہ چند آدمی کثیر التعداد لوگوں کی جانوں اور محنت پر قابو پاجاتے ہیں اور اکثریت کی یہ غلامی ہی لوگون کی مصیبت کا اصلی سبب ہے اسلیے لوگوں کی حالت کی اصلاح کا صرف یہ طریقہ ہے کہ اول تو یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ہم میں غلامی موجود ہے اور صرف استعارتاً ہی نہیں بلکہ صاف اور اصلی معنی میں موجود ہے۔ یہ ایسی غلامی ہے جس کی وجہ سے اکثریت اقلیت کی محکوم ہے۔ جب یہ تسلیم کرلیا جائے تو اوسکے بعد اس غلامی کے وجوہ تلاش کیے جائیں۔ جب وجوہ معلوم ہوجائیں تو اونکو رفع کیا جائے

غلامی کیا ہے؟

آجکل غلامی کس چیز میں ہے؟ وہ کونسی قوتیں ہیں جو لوگوں کو غلام بنادیتی ہیں؟
اگر ہم روس امریکہ اور یورپ کے تمام مزدوروں سے خواہ کارخانوں میں یا دوسری جگہ شہروں میں یا دیہات میں یہ سوال کریں کہ اونہوں نے اپنی موجودہ حالت کیوں اختیار کی تو سب بالاتفاق یہ جواب دینگے کہ یا تو اونکے پاس زمین نہیں تھی جو ایسی اچھی ہوتی کہ اوسپر کام کرکے وہ بسر اوقات کرسکتے (تمام روسی اور بیشتر یورپین مزدوروں کا یہ ہی جواب ہوگا) یا یہ کہ اون سے بلا واسطہ یا بالواسطہ ایسے ٹیکس مانگے گئے جنہیں وہ بغیر دوسرا کام کیے ادا نہیں کرسکتے تھے یا یہ جواب ہوگا کہ جو عیش پسندانہ عادات اونھوں نے اختیار کرلی ہیں وہ اونھیں صرف فیکٹری کے کام میں حاصل ہیں اور اسلیے وہ اس کام میں بری لتوں کی وجہ سے پڑے ہوئے ہیں۔ اونکی

یہ بد عادتیں فیکٹریوں میں اپنی آزادی قربان کیے بغیر پوری نہیں ہو سکتی ہیں۔

یہ تیسری وجہ گو اپنی مرضی سے اختیار کی جاتی ہے (یعنی بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان ترغیبات کا ہر شخص مقابلہ کر سکتا ہے) اور سائنس اسکو مزدوروں کی مصیبت کی اصلی وجہ نہیں سمجھتی لیکن فی الحقیقت غلامی کی سب سے زیادہ مضبوط اور مستقل وجہ ہے۔ جو مزدور کہ دولتمند لوگوں کے نزدیک رہتے ہیں اونکو ہمیشہ نت نئی ضرورریات کی وبا لاحق رہتی ہے جنکے پورا کرنے کے ذرائع اوسوقت تک اونہیں میسر نہیں آتے جب تک وہ سخت جفاکشی اور محنت نہ کریں چنانچہ انگلستان اور امریکہ میں مزدور اصلی ضروریات سے دس گنا کماتے ہیں اور پھر بھی بدستور غلامی کے نظام ہی رہتے ہیں۔

تو مزدوروں کی غلامی کے صرف تین وجوہ ہیں جیسا کہ خود اونکے بیان سے بھی ثابت ہے۔ اونکی غلامی کی تاریخ اور اونکے حالات و واقعات بھی اونکے بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔

تمام مزدوروں کی غلامی اور اوسمیں استقلال صرف انہی تین وجوہ کی بنا پر ہے۔ یہ وجوہ جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہیں ایسی ہیں کہ انکے اثر سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ وہ کاشتکار جس کے پاس زمین نہیں ہے یا ناکافی ہے پیٹ پالنے کی وجہ سے مالک زمین کی دائمی یا عارضی غلامی پر مجبور ہوگا۔ اور اگر اتفاق سے اوسے ایسی زمین ملجائے جو اوسکی بسر اوقات کے لئے کافی ہو تو اوس سے محصولات وغیرہ کے اسقدر مطالبہ ہونگے کہ پھر اوسکو مجبوراً غلامی اختیار کرنی پڑے گی۔

زمیندار کی غلامی سے بچنے کے لئے اگر وہ کاشتکاری چھوڑ دے اور کسی دوسرے کی زمین میں بسکر کوئی دستکاری اختیار کرے تاکہ اپنی ضروریات اپنے ہاتھ سے مختلف چیزیں بناکر پوری کرے تو ایک جانب محصولات اور دوسری طرف اون سرمایہ داروں کا مقابلہ جو

اوسی قسم کی اشیا مشینوں اور نوایجاد آلات سے طیار کرتے ہیں اوسکو ان سرمایہ داروں کی عارضی یا دائمی غلامی پر مجبور کریگا - بعض حالتوں میں یہ بھی ممکن تھا کہ وہ سرمایہ داروں سے آزادانہ تعلقات قائم کرتے اور اونکا کام کرنے کے باوجود بھی آزاد رہتے مگر نئی ضروریات جنکے وہ خوگر ہوچکے ہیں اس بات کو بھی ناممکن بنادیتی ہیں - لہذا ایک مزدور ہر طرح اون لوگوں کا غلام ہی رہیگا جو محصولات زمین اور اون اشیا پر قبضہ رکھتے ہیں جو اوسکی ضروریات پورا کرنے کے لئے ناگزیر ہیں

قوانین متعلقہ محصولات زمین و اسباب

جرمنی کے سوشیلسٹ ان حالات کے مجموعہ کو جو مزدوروں کو سرمایہ داروں کا غلام بنادیتا ہے رہنی قانون کے نام سے پکارتے ہیں (لفظ رہنی سے اونکی یہ مراد ہے کہ یہ قانون اٹل ہے) لیکن دراصل اٹل کوئی چیز نہیں - یہ حالات محض اون قوانین کا نتیجہ ہیں جو محصولات زمین اور سب سے زیادہ اون اشیا سے متعلق ہیں جو ہماری ضروریات کو پورا کرتی ہیں - کوئی اٹل قانون ایسا نہیں ہے بلکہ یہ غلامی پیدا کرنے والے قوانین آدمی ہی بناتے ہیں اور آدمی ہی انہیں منسوخ بھی کر سکتے ہیں - ایک ایسا قانون ہے جسکی رو سے کوئی زمین ایک شخص کی ملکیت ہوسکتی ہے یا ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوجاتی ہے - دوسری قسم کے وہ قوانین ہیں جنکی رو سے بعض آدمیوں کو بغیر چون وچرا کے ٹیکس ادا کرنے پڑتے ہیں تیسری قسم کے قوانین وہ ہیں جن کی رو سے اگر کوئی شخص خواہ کسی طریق پر بھی بعض اشیا پر قابض ہوجائے تو وہ اوسکی ملکیت خیال کی جاتی ہیں - یہ ہی وہ قوانین ہیں جنکی وجہ سے غلامی کا وجود ہے -

یہ قوانین ہمیں آج ایسے ہی معمولی معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ پہلے زمانہ میں غلامی کے قوانین معمولی اور ناقابل توجہ نظر آتے تھے ۔ لیکن جسطرح غلامی کے قوانین کے لئے ایک وقت ایسا آگیا جبکہ لوگوں نے اونپر اعتراض کیا اور پھر اونکو منسوخ کرنا پڑا اسی طرح اب وقت آگیا ہے کہ اس دوسری قسم کی غلامی کے قوانین کی منسوخی کی ضرورت کو بھی لوگ محسوس کریں۔ جسطرح پہلے لوگ یہ سوال کرتے تھے کہ کیا جائز ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی ملکیت ہوجائے اور جو کچھ محنت کرے اوسکے ثمرات مالک کو حاصل ہوں اسی طرح اب ہم اپنے دلمیں سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ جائز ہوسکتا ہے کہ لوگ محنت کرکے جو کچھ پیدا کریں اوسمیں سے جسقدر بھی اُن سے طلب کیا جائے وہ ظالمانہ قوانین کے ماتحت بے چون وچرا دیدیں ؟

کیا یہ صحیح ہے کہ اون لوگوں کو مالکانہ حقوق نہ دیے جائیں جو اون زمینوں کو جوتتے ہیں اور وہ لوگ مالک خیال کیے جائیں جو اونکو جوتتے نہیں ؟

کہا جاتا ہے کہ اگر اس قانون پر عمل نہ کیا جائے تو لوگ ایک دوسرے کو بعض زمینوں سے نکالنے کی کوشش کرینگے اور آپا دھاپی مچ جائیگی اور اسطرح زمینوں کی کاشت میں ترقی نہیں ہوگی ۔ لیکن کیا یہ اعتراض صحیح ہے ؟ اسکا جواب تاریخ کے صفحات اور موجودہ واقعات سے ملیگا ۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ زمینوں پر بعض افراد کا مالکانہ قبضہ ہونے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ کاشت میں ترقی، کسانوں کی بہتری یا اسی قسم کا کوئی اور مقصد پیش نظر تھا بلکہ جنگ کے بعد فاتحین اون لوگوں کو زمینیں تقسیم کردیا کرتے تھے جنہوں نے جنگ میں اُن کا ساتھ دیا ۔ آجکل کی حالت یہ ہے کہ اکثر کاشتکار زمینوں سے بے دخل ہوچکے ہیں اور دوسرے لوگوں کی زمینیں جوتتے ہیں جن سے وہ مالک زمین کی مرضی کے مطابق ہروقت نکال دیے جاسکتے ہیں ۔

ٹیکسوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سبکی مرضی اگرچہ خاموش مرضی سے وصول کیے جاتے ہیں اور اونکا استعمال پبلک مفاد کے کاموں میں ہوتا ہے لہذا ٹیکس وصول کرنا جائز ہے۔

لیکن کیا یہ صحیح ہے؟ اس سوال کا جواب بھی تاریخ اور واقعات حاضرہ میں موجود ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ٹیکس عام مرضی سے کبھی نہیں جاری کیا گیا بلکہ اسکی ابتدا اسطرح ہوئی کہ جب کسی نے کسی طبقہ پر کسی نہ کسی طرح حکومت کا موقع حاصل کر لیا تو اوسپر ٹیکس بھی لگا دیا۔ یہ ٹیکس پبلک مفاد کے لئے نہیں بلکہ ذاتی مفاد اور نفع کے لئے لگایا گیا۔ آج بھی یہی حالت جاری ہے۔ ٹیکس صرف وہ لوگ وصول کر رہے ہیں جنہیں وصول کرنے کی طاقت ہے۔ اور اس ٹیکس کا جسقدر حصہ پبلک اغراض میں صرف ہوتا ہے تو یہ اغراض بھی دراصل اکثر اوقات پبلک کو نقصان پھونچانے والے ہوتے ہیں۔ مثلاً روس میں لوگوں کی آمدنی کا ایک تہائی حصہ ٹیکس کی صورت میں وصول کر لیا جاتا ہے لیکن ان ہی لوگوں کی اصلی ضرورت یعنی تعلیم پر اسکے پچاسویں حصہ سے بھی کم خرچ کیا جاتا ہے۔ اور یہ تھوڑی مقدار بھی جس قسم کی تعلیم پر صرف ہوتی ہے وہ لوگوں کو فائدے سے زیادہ نقصان پھونچاتی ہے۔ باقی ویسے غیر ضروری چیزوں مثلاً فوج، ریلوے، عمارات اور تنخواہ ملازمین پر صرف ہوتا ہے یعنی اون ملازمین کی تنخواہ پر جو اس ٹیکس کی وصولیابی ممکن بناتے ہیں۔

یہ حالت نہ صرف روس میں ہے بلکہ ایران، ترکی، اور ہندوستان میں اور اُن یورپین ممالک میں بھی ہے جہاں آئینی یا جمہوری حکومتیں قایم ہو چکی ہیں۔ بلا لحاظ اسکے کہ وہ دینا چاہیں یا نہیں اکثر آبادی سے رقمیں وصول کی جاتی ہیں اور وہ بھی اتنی نہیں جتنی کی ضرورت ہے بلکہ جسقدر بھی وصول ہو سکیں (ہمیں پارلیمنٹوں کی حقیقت معلوم ہے کہ وہ کس حد تک پبلک کی حقیقی نمائندہ ہوتی ہیں) اور یہ رقمیں پبلک مفاد پر خرچ نہیں ہوتیں بلکہ اون چیزوں پر

جو حکمراں پارٹی کے لئے ضروری ہیں ۔ مثلاً کیوبا یا فلی پائن جیسے مقامات میں جنگ
کرنا یا ٹرانسوال کی دولت پر قبضہ رکھنا اس جماعت کے نزدیک ضروری خیال کیا جاتا ہے ۔
ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ غلط ہے کہ لوگوں سے جو ٹیکس وصول کیے جاتے ہیں
وہ سب کے مشترکہ مفاد پر خرچ ہوتے ہیں ۔

کیا یہ صحیح ہے کہ لوگوں کو وہ چیزیں نہیں استعمال کرنی چاہئیں جو دوسروں
کی ملکیت ہوں خواہ انہیں اون چیزوں کے استعمال کی ضرورت ہی کیوں نہ واقع ہو ؟

کہا جاتا ہے کہ ملکیت کا ایسا قانون بنانا ضروری ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو
لوگوں کو یہ یقین نہ رہے کہ جو چیز ہم محنت سے حاصل کرتے ہیں وہ ہمارے پاس رہیگی بھی یا
نہیں ۔ کیا یہ تشریح قابل قبول ہے ؟ اسکی حقیقت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے دیکھنا چاہیے
کہ عملی دنیا میں کیا ہو رہا ہے ۔ عملی دنیا کی حالت یہ ہے کہ بالکل اس کے برخلاف عمل ہوتا ہے ۔
یعنی یہ کہ تمام چیزیں محنت و مشقت سے بناتے تو ہیں اور لوگ اور ان چیزوں پر قبضہ
کر لیتے ہیں اور لوگ ۔ لہذا جسطرح یہ کہنا غلط ہے کہ زمینوں کا قانون کاشتکاروں کی فلاح
کے مطابق ہے اسیطرح یہ دعویٰ بے حقیقت ہے کہ چیزوں پر مالکانہ قبضہ کا جو قانون ہے
اوسکا مقصد یہ ہے کہ وہ چیزیں جن لوگوں کی محنت کا نتیجہ ہیں اون کے قبضہ میں محفوظ
رہیں ۔ یہ حد درجہ کی ناانصافی اور خودغرض آدمیوں کی نرالی منطق ہے ۔ اول تو مزدوروں
کی بنائی ہوئی چیزوں پر قبضہ کر لیتے ہیں اور پھر ایک ایسا قانون بنا دیتے ہیں کہ جن لوگوں
نے زبردستی ان کو غصب کر لیا ہے اونکو اسپر مالکانہ قبضہ کا حق رہے ۔

مثال کے لئے کسی فیکٹری کی حالت پر غور کیجیے ۔ مالک دھوکے فریب سے اور
مزدوروں کی محنت حاصل کرکے اوسکو اپنی محنت کا نتیجہ خیال کرتا ہے اور اوسپر مالکانہ

حق جتاتا ہے لیکن جو لوگ اوس فیکٹری میں کام کرتے ہیں اور اپنی صحت اور جانیں قربان کر دیتے ہیں اونکی یہ صحت اور یہ جانیں اونکی ملکیت نہیں خیال کی جاتیں بلکہ وہ مالک ان کو بھی اپنی ہی ملکیت سمجھ لیتا ہے اور یہ محض اس بنا پر کہ وہ مزدوروں کی نام نہاد ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ محض اس وجہ سے کہ فلاں زمین باپ دادا سے میراث میں ملی ہے اوس زمین پر اگا ہوا لاکھوں من اناج اوسے مل جاتا ہے حالانکہ اوسکی محنت اس کاشت میں بالکل شامل نہیں ہوتی۔ کہا جاتا ہے کہ قانون مالک کارخانہ، سرمایہ دار زمیندار اور فیکٹری اور دیہات کے مزدوروں کی یکساں حفاظت کرتا ہے۔ لیکن سرمایہ دار اور مزدور کی حالت ایسے دو لڑنے والوں کی سی ہے جنمیں سے ایک آزاد ہو اور ایک کے ہاتھ باندھ دیے گئے ہوں بلکہ سرمایہ دار کے ہاتھ میں تو حربے بھی ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر بعض قوانین دونوں کے لئے یکساں بھی ہوں تو سرمایہ دار کے مقابلہ میں مزدور کسطرح ٹھہر سکتا ہے۔ غرضکہ جو قوانین موجودہ غلامی کا باعث ہیں وہ ایسے ہی غیر منصفانہ ہیں جیسے کہ وہ قوانین جو پہلے زمانہ کی غلامی کا باعث تھے۔

پہلے بھی لوگ ایسے قانون پر عمل کرتے تھے جسکی رو سے وہ ایک انسان کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کر سکتے اور ان انسانوں کو جس کام پر چاہیں لگا سکتے تھے، آج بھی ان لوگوں نے قانون بنا لیے ہیں جنکی رو سے یہ لوگوں کو زمینیں جوتنے اور اوسکے ثمرات حاصل کرنے سے منع کرتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو فلاں کی زمین ہے، ان ہی قانونوں کی رو سے بعض لوگوں پر ٹیکس کی ادائیگی لازمی ہے اور ان ہی قوانین کے ماتحت ایک کو دوسرے کی چیز استعمال کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔

اسی کا نام غلامی ہے اور یہ زمانہ حاضرہ کی غلامی ان ظالمانہ قوانین کا نتیجہ ہے۔

غلامی کا سبب قوانین ہیں

ہمارے زمانہ کی غلامی تین قسم کے قوانین کا نتیجہ ہے۔ زمینوں، ٹیکسوں اور اثاثہ کے متعلق جو قوانین ہیں وہی ہماری غلامی کا اصلی سبب ہیں۔ لہذا تمام وہ لوگ جو مزدوروں کے بہی خواہ ہیں اونکی کوشش کا مرکز یہی قوانین ہونے چاہییں۔ مزدوروں کے ان خیرخواہوں میں کچھ تو وہ ہیں جو مزدور پیشہ آدمیوں سے ٹیکس علیحدہ کرا کے مالدار آدمیوں پر منتقل کرانا چاہتے ہیں، بعض وہ ہیں جو زمینوں پر مالکانہ قبضہ کا قانون مسترد کرانیکی کوشش میں ہیں۔ نیوزی لینڈ اور امریکہ کی دیگر ریاستوں میں ایسی کوشش جاری ہے اور آئرلینڈ کا قانونِ زمینداران بھی اسی خیال کا نتیجہ ہے، ایک تیسرا گروہ سوشیلسٹ کا ہے جو یہ تجویز کر رہے ہیں کہ ذرائع پیداوار خاص شخصیتوں کی ملکیت نہ رہیں بلکہ حکومت جمہوری ہو اور ذرائع پیداوار پر بجائے شخصیتوں کے اس قومی حکومت کا قبضہ ہو جائے، اسی کے ساتھ یہ گروہ یہ بھی چاہتا ہے کہ آمدنیوں پر ٹیکس لگایا جائے اور سرمایہ داروں کو جو حقوق اسوقت مزدور پیشہ طبقہ کے مقابلہ میں حاصل ہیں اونکو محدود کر دیا جائے۔ ان کوششوں سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن قوانین کا نتیجہ آج غلامی ہو رہا ہے وہ عنقریب مٹ جانے والے ہیں۔ لیکن موجودہ حالات پر ذرا اور گہری نظر ڈالیں تو ہمیں محسوس ہو جائیگا کہ ان کوششوں سے نہ صرف عملی دنیا میں غلامی نہیں مٹ رہی ہے بلکہ ایک اصول کی جگہ جو نیا اصول قایم کیا جا رہا ہے اوسکا منشا بھی صرف غلامی کی موجودہ شکل کو بدل دینا ہے۔ غلامی پھر بھی باقی رہیگی صرف اوس کی شکل بدل جائیگی۔

صرف مزدوروں سے ٹیکس ہٹانے سے کیا ہوتا ہے؟ زمین اور ذرائع پیدا
وار پر مالکانہ قبضہ کا حق تو سرمایہ داروں کو پھر بھی رہیگا اور یہ حق اونکی غلامی کو برقرار رکھنے
کے لئے کافی ہے۔ جو لوگ ہنری جارج کی طرح زمینوں پر مالکانہ قبضہ باقی نہیں رکھنا چاہتے
وہ ہر زمین پر بھاری ٹیکس لگانا چاہتے ہیں اور اس کا نتیجہ بھی غلامی ہی رہیگا کیونکہ جس سال
فصل ٹھیک نہیں ہوگی اوسی سال ٹیکس کی ادائیگی کے لئے سرمایہ دار کے پاس جانا پڑیگا
اور سرمایہ دار ایسے شرائط پیش کریگا کہ مزدور پھر غلامی ہی میں رہیگا۔ اب رہے سوشیلسٹ
جو ذرائع پیداوار کو قومی حکومت کی ملکیت میں دیدینا چاہتے ہیں انکے اصول کے مطابق نہ
صرف ٹیکس باقی رہ جائیگا بلکہ انہیں ایسا قانون بھی وضع کرنا پڑیگا جس کی رو سے جبری
مزدوری کا طریقہ قایم ہو۔ لیکن یہ تو پہلے زمانہ کی سی غلامی ہو جائیگی۔

اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ جو کوششیں موجودہ غلامی کو دور کرنیکی ہو رہی ہیں
ان سے غلامی مٹیگی نہیں بلکہ صرف اوسکی شکل بدل جائیگی۔ یہ تو بالکل اسطرح کی بات ہے
کہ کوئی داروغہ جیل کسی قیدی کی زنجیر ہاتھ سے کھول کر گردن میں ڈالدے۔

پہلے بھی اسیطرح ہو چکا ہے۔ یہ قانون تو منسوخ کردیا گیا تھا کہ کسی شخص کو مالک
بنکر دوسرے شخص سے جبرًا کام لینے کا حق ہے لیکن اوسکی جگہ یہ قانون آگیا کہ بعض لوگوں
کو زمینوں پر مالکانہ قبضہ رکھنے کا حق ہے۔ اس دوسرے قانون کا نتیجہ بھی غلامی ہی رہا۔
زمین، ٹیکس، اور ملکیتِ اشیا کے جن غلامی پیدا کرنے والے قوانین کا ذکر ہوا اگر ان میں
مذکورہ بالا تین گروہوں کے خیالات کے مطابق ترمیم و تنسیخ بھی کردی گئی تو ایک نئے
قسم کی غلامی پیدا ہوگی جسکی علامات ظاہر بھی ہوتی جاتی ہیں۔ مثلاً ایسے قوانین وضع

کیے جارہے ہیں جن سے مزدوروں کی نقل وحرکت میں آزادی باقی نہ رہے۔ اون کو بعض صحت کے قوانین پر زبردستی عمل کرایا جارہا ہے۔ اونکے لئے مدرسوں کی حاضری لازمی قرار دیجارہی ہے، اوقات کی پابندی کی شکل میں اونکی آزادی کو محدود کیا جارہا ہے، زبردستی اونکی تنخواہوں میں سے بونس وغیرہ کے نام سے ایک حصہ کاٹ لیا جاتا ہے یہ سب بھی ایک نئی غلامی کا پیش خیمہ ہے جو پہلے کبھی تجربہ میں نہیں آئی تھی۔

نتیجہ یہ نکلا کہ غلامی کے وجود کا باعث صرف قوانین میں تغیر وتبدل کرنے سے دور نہیں ہوسکتا بلکہ غلامی کا وجود اگر مٹانا ہے تو اس قانون سازی ہی کو مٹانا چاہیے۔ جب تک ایسے لوگ موجود ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں دوسروں کے لئے قانون بنانے کا حق ہے اوسوقت تک یہ لوگ ایسے قوانین بناتے رہیں گے جو انکے لئے مفید اور دوسروں کے لئے مضر ہوں اور اوسوقت تک موجودہ غلامی کا وجود بھی باقی رہیگا۔

جب تک ان لوگوں نے پہلے زمانہ کی سی غلامی کو اپنے مفاد کے مطابق پایا اوسکے جواز کے قوانین بنائے، جب اسمیں ذاتی مصلحت دیکھی کہ زمینوں کو ذاتی ملکیت قرار دیا جائے تو اس قسم کے قوانین بنا لیے۔ اب وہ یہ مناسب خیال کررہے ہیں کہ مزدوری اور کام کی موجودہ تقسیم سے فائدہ اٹھایا جائے تو وہ اسی قسم کے قوانین بنارہے ہیں۔ غرضکہ جب تک ان لوگوں میں قانون بنانے کی طاقت رہیگی اوسوقت تک غلامی نہیں مٹ سکتی۔

قانون سازی ہے کیا چیز؟ اور بعض لوگوں کو قانون بنانے کا حق کسطرح مل جاتا ہے؟

قانون سازی جبر و تشدّد پر مبنی ہے

قانون سازی ہے کیا چیز؟ اور لوگوں کو قانون سازی کا حق کسطرح مل جاتا ہے؟ اس مسئلہ کے متعلق بڑا لٹریچر جمع ہوگیا ہے۔ سیکڑوں لوگوں نے ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔ بلکہ یہ ایک مستقل علم ہوگیا ہے مگر اس مسئلہ پر لکھنے والوں نے اس قسم کی کوئی اسکیم نہیں پیش کی کہ کیا ہونا چاہیے بلکہ یہ ہی ثابت کرتے رہے کہ جو موجودہ حالت ہے وہی بہترین ہے۔ اس علم قانون سازی میں متعدد الفاظ مثلاً "حق" "حکومت" وغیرہ کے متعلق عجیب عجیب تبصرے کیے ہیں، بڑی بڑی موشگافیاں کی ہیں جنکا مفہوم کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ جن لوگوں نے یہ تبصرے کیے ہیں خود اونکی سمجھ میں بھی نہیں آتے ہونگے۔ ان سے اس سوال کا جواب مطلق نہیں ملتا کہ قانون سازی کیا چیز ہے؟

سائنس کی رو سے تو قانون سازی تمام قوم کے ارادے اور مرضی کے مظاہرے کا نام ہے۔ لیکن عملی دنیا میں یہ حالت ہے کہ قوانین کے توڑنے والے یا وہ لوگ جو توڑنا چاہتے ہیں مگر توڑ نہیں سکتے یا سزا سے ڈرتے ہیں ہمیشہ بہت ہوتے ہیں بلکہ قوم میں بہت بڑی اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے لہذا یہ تعریف غلط ہوئی کہ قانون سازی تمام قوم کی خواہش کا مظاہرہ ہے

مثلاً چنگی، جبری فوجی خدمت، جوری کے فرائض، جعلی سکّے، وغیرہ کے متعلق جو قوانین ہیں کیا انکو اکثریت توڑنا نہیں چاہتی۔ فی الحقیقت یہ تمام قوانین اور اس قسم کے متعدد دیگر بہت مختلف اور پیچیدہ اغراض کا نتیجہ ہیں اور ان میں سے

ایک بھی قوم کی متحدہ مرضی کا نتیجہ نہیں - بس ان تمام قوانین میں ایک بات مشترک ہے وہ یہ کہ جب ان کی کوئی شخص خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ لوگ جنہوں نے یہ قانون بنائے ہیں اوس کے سر پر مسلح آدمی بھیجتے ہیں جو اوسکی خوب خبر لیتے ہیں حتی کہ مار تک ڈالتے ہیں - اگر کوئی آدمی اپنی پیداوار میں سے اسقدر نہیں دینا چاہتا جسقدر کہ اوس سے طلب کیا گیا ہے تو مسلح آدمی آئیں گے اور اوس سے زبردستی چھین لے جائیں گے - اگر اوسنے اور زیادہ حجت کی تو اوسکو مختلف طریقوں سے سزا دیجائیگی - یہ ہی انجام اوس آدمی کا ہوگا جو اوس زمین کو جوتنے لگے جو کسی دوسرے کی ملکیت کہلاتی ہے - یہ ہی حال اُس کا ہوگا جسکو حکم ہے کہ تم فلاں مرتبہ کے سردار کی تعظیم کرو اور وہ اوسکی تعظیم نہیں کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ قوانین یعنی دوسروں کی مرضی پر لوگوں کو چلانے کا صرف ایک طریقہ ہے اور وہ جبر ہے - یہ وہ معمولی جبر و زور نہیں ہے جو لوگ غصہ کے وقت ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرتے ہیں اور جو ہنگامی ہوتا ہے بلکہ یہ وہ جبر ہے جسکا انتظام باقاعدہ مرتب کر لیا گیا ہے اور اس انتظام کو اون لوگوں نے مرتب کیا ہے جو اپنی اغراض کی خاطر دوسروں سے اپنی مرضی یعنی اپنے بنائے ہوے قانون کو منوانا چاہتے ہیں -

غرضکہ قانون سازی کا دار و مدار اسپر نہیں ہے کہ "حکومت" کسے کہتے ہیں ' کسی کا "حق" کیا چیز ہے یا ایسے ہی کسی اور مسئلہ پر نہیں ہے جسکے متعلق لوگوں کے ذہن میں کوئی صاف اور واضح خیال نہیں ہے بلکہ قانون سازی کا دار و مدار اس امر پر ہے کہ ایک خاص گروہ کے پاس ایسا سامان موجود ہے کہ وہ اپنی مرضی منوانے کے لئے ایک منتظم جبر و تشدد کر سکتا ہے - لہذا قانون سازی کی ناقابل انکار تعریف یہ ہوئی:-

"قوانین وہ ضوابط ہیں جنہیں وہ لوگ بناتے ہیں جو منتظم جبر و تشدد کے ساتھ

حکومت کرتے ہیں، اور جنکی خلاف ورزی کا نتیجہ سزا، غلامی، قید یا بعض اوقات نقصان جان ہوتا ہے"

اس تعریف سے اس سوال کا جواب مل جاتا ہے کہ کس چیز کی مدد سے لوگ قانون بناتے ہیں؟ یہی وہ چیز ہے جس کی مدد سے قوانین کا نفاذ ہوتا ہے اور اسی کی مدد سے لوگوں کی اطاعت حاصل کی جاتی ہے۔ اس کا نام جبر و تشدد ہے۔

کیا بغیر حکومتوں کے زندگی ممکن ہے؟

مزدوروں کی قابل رحم حالت کا سبب غلامی ہے۔ اور غلامی کا سبب قانون سازی ہے اور قانون سازی کا دار و مدار منتظم جبر و تشدد ہے۔

"لیکن منتظم جبر و تشدد اصل میں حکومت کا دوسرا نام ہے اور بغیر حکومت کے ہم کس طرح رہ سکتے ہیں؟ یہ ہے وہ سوال جو لازماً بحث کے اس مرحلہ پر پیدا ہوتا ہے۔ بغیر حکومت کے غدر اور فوضویت کی حالت پیدا ہو جائیگی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ پہلے وقتوں کی سی غیر متمدن اور وحشیانہ حالت کی طرف عود کر جائینگے" یہ ہیں وہ باتیں جو عام طور سے کہی جاتی ہیں اور انپر نہ صرف وہ لوگ یقین کرتے ہیں جو ان قوانین اور حکومت سے ذاتی فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں بلکہ ہمیشہ سے سنتے سنتے وہ لوگ بھی اس منطق کے عادی ہو گئے ہیں جو اس اصول کی وجہ سے سخت مصیبت میں مبتلا ہیں۔ انکا خیال ہے کہ حکومت بغیر زندگی ممکن نہیں اسلیے ہمیں موجودہ نظام کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں کہ حکومت تباہ ہوئی نہیں کہ مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹے۔ لوٹ مار، غدر، قتل و غارت شروع ہو جائیگا اور آخر میں نتیجہ یہ ہوگا

کہ حکومت اور بھی زیادہ نا قابل آدمیوں کے ہاتھ میں پہونچ جائے گی۔ لیکن آخر اب بھی تو یہ ہی ہو رہا ہے۔ چوریاں، ہنگامے، اور اچھے آدمیوں کی غلامی یہ سب واقعات اب بھی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ یہ خیال کہ اگر موجودہ نظام کو بگاڑا گیا تو بڑی بدامنی ہوگی اس بات کو نہیں ثابت کرتا کہ موجودہ نظام اچھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر "ذرا بھی موجودہ نظام کو ہاتھ لگایا تو فوراً آفت ہی تو آجائیگی" ہزاروں اینٹیں ایک دوسرے کے اوپر اسطرح نازک حالت میں رکھی ہیں کہ جہاں ذرا چھوا اور محل گرا۔ مگر اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ ان اینٹوں کو اسی بے ڈھنگے طریقہ سے چھوڑ دیا جائے۔ اگر ایک دفعہ بالفرض گر بھی گئیں تو صرف ترتیب ہی تو بدلے گی خود اینٹیں تو پاش پاش نہیں ہو جائیں گی۔ بلکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ تمام اینٹوں کی ترتیب بدلکر ایسی کرنی چاہیے جو مضبوط ہو اور یہ ہمیشہ کا خطرہ چلا جائے۔

یہ ہی مثال موجودہ نظام حکومت پر صادق آتی ہے۔ موجودہ حالت بہت خراب اور خطرناک ہے اور تبدیلی کی محتاج ہے۔ یہ نقصان دہ اسوجہ سے ہے کہ موجودہ سوسائٹی پر اسکا اثر اصلاحی نہیں پڑتا بلکہ جو برائی موجود ہے اوسے اور زیادہ مضبوط و پائدار کرنے والا ہے۔ اور پھر یہ مزید خرابی پیدا ہوتی ہے کہ اس برائی کو اچھا ثابت کرنے کے لئے اسکے لئے اچھی اچھی دلیلیں تلاش کی جاتی ہیں۔

لوگوں کے مفاد کا اس منتظم جبر والی حکومت کے ساتھ جو تعلق بتایا جاتا ہے وہ سب فسانہ ہے۔ اس نظام کی ظاہری حالت حتی الامکان اچھی کرکے دکھائی جاتی ہے۔ لوگوں کے غربت و افلاس، بیماری اور مصیبت کو چھپایا جاتا ہے تاکہ موجودہ نظام کی صورت بھیانک نہ معلوم ہو۔ لیکن اگر ہم بظاہر ان خرابیوں کو نہیں دیکھتے تو اسکے یہ

معنی نہیں کہ انکا وجود بھی نہیں ۔ بلکہ جسقدر زیادہ لوگوں کے مصائب نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں اوسیقدر انکی زیادتی اور ہیبت ناکی بھی ہوتی ہے ۔ یہ ضرور ہے کہ جب کبھی موجودہ نظام میں مداخلت ہوتی ہے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہنگامہ ہوا لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ منتظم جبر میں رخنہ پڑتا ہے اور جو حالت آنکھوں سے اوجھل تھی وہ سامنے آجاتی ہے ۔ کوئی نئی چیز نہیں پیدا ہوتی بلکہ جو چیز پہلے چھپی ہوئی تھی ظاہر ہوتی ہے اور اسطرح اصلاح کی صورت پیدا ہوجاتی ہے ۔ ابتک یا یوں کہیے کہ انیسویں صدی کے آخر تک لوگوں کا یہ خیال تھا کہ بغیر حکومت کے زندگی مشکل ہے بلکہ غیر ممکن ہے ۔ مگر دنیا انقلاب پذیر ہے اور زندگی کے حالات اور لوگوں کی رائیں بدل رہی ہیں ۔ اور اگرچہ اب بھی حکومتیں یہی کوشش کر رہی ہیں کہ لوگوں کو ان بچوں کی سی حالت میں رکھیں جنکو اس خیال سے خوشی ہوتی ہے کہ وہ اپنی شکایتیں کسی تک لیجا سکتے ہیں لیکن تمام لوگ اور خصوصاً یورپ اور روس کے مزدور اس بچپن کی حالت سے آہستہ آہستہ نکل رہے ہیں اور زندگی کی حقیقت کا احساس کرتے جاتے ہیں ۔

اب لوگ کہتے ہیں کہ

"تم کہتے ہو کہ اگر تمہاری امداد نہ ہو تو ہمیں ہمسایہ قومیں فتح کرلیں ۔ چینی یا جاپانی چڑھ آئیں مگر ہم اخبار پڑھتے ہیں اور جان گئے ہیں کہ کوئی ہمارے اوپر نہیں چڑھکر آرہا ہے ۔ بلکہ کسی نہ کسی مقصد کی خاطر تم ہمارے اوپر حکومت قایم کیے ہو اور قوم کی محافظت کے بہانے سے ہمیں ٹیکسوں سے زیر بار کرتے ہو اور محض اپنی حرص و طمع کو پورا کرنے کے لیئے فوجی ریلیں اور جنگی بیڑے بناتے ہو ۔ اور پھر تم ایک دوسرے سے جنگ کے سامان کرتے ہو جیسے کہ ابھی امن پسند چینی قوم سے جنگ کرلی ۔ تم کہتے

کہ ہم تمھارے لیے زمین کی حفاظت کرتے ہیں" لیکن تمھاری اس نام نہاد حفاظت کا یہ نتیجہ ہو رہا ہے کہ تمام زمینیں سرمایہ داروں اور مالدار کمپنیوں کے قبضہ میں پہونچتی جاتی ہیں اور مزدوروں سے نکلتی جاتی ہیں۔ دراصل تم اپنے قانون اراضی کی مدد سے زمینوں کی حفاظت نہیں کرتے بلکہ اون لوگوں سے چھینتے ہو جو اونپر محنت کرتے ہیں۔

غرضکہ ان امور پر خیال کرکے لوگ جاگتے جاتے ہیں اور یہ بیداری نہایت تیزی کے ساتھ ترقی کر رہی ہے۔ گزشتہ پانچ چھ سال میں نہ صرف شہروں میں بلکہ دیہات میں بھی یہ احساس پیدا ہوتا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اگر حکومت نہ ہو تو جو تعلیمی اور روشن خیالی پیدا کرنے والی تنظیمیں ہیں یہ باقی نہیں رہینگی؟ لیکن آخر ہم ایسا کیوں فرض کرلیں؟ آخر کیا وجہ کہ غیر سرکاری طور سے لوگ خود اپنے مفاد کے لئے ویسی ہی اچھی تنظیم نہ کریں جیسی کہ سرکاری آدمی دوسروں کے لئے کرتے ہیں؟ برخلاف اسکے ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ مختلف معاملات میں جب لوگ اپنی زندگی کی ضروریات کا خود انتظام کرتے ہیں تو بہتر ہوتا ہے اور جب وہ لوگ جو ان کو غلام بنائے ہوئے ہیں کرتے ہیں تو خراب تر ہوتا ہے۔ بلکہ بعض حالتوں میں تو گورنمنٹ کی مخالفت کے باوجود انکی بعض مجالس نہایت کامیابی کے ساتھ چلتی رہتی ہیں۔ اگر کسی عام مفاد کے کام کے لئے سرمایہ چاہیے تو جب لوگ احساس کرتے ہوں گے کہ یہ کام عام آدمیوں کے لیے مفید ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ بخوشی خاطر اوسمیں امداد نہ کریں اور اونپر ٹیکس لگانے اور جبر کرنے کی ضرورت پیش آئے اور اونپر جبر کرنے کی ضرورت واقع ہو۔ آخر ہم ایسا کیوں فرض کریں کہ عدالتیں صرف جبر و تشدد کی امداد سے ہی قایم ہو سکتی ہیں؟

لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ پنچایتوں کے ذریعہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے اور اس طریقہ کی کامیابی کے لئے کسی جبر وتشدد کی ضرورت نہیں ۔ طویل غلامی نے ہمارے احساسات اسقدر کند کر دیے ہیں کہ ہم بغیر تشدد کی حکومت کا خیال بھی دماغ میں نہیں لاتے ۔ حالانکہ اس خیال میں بھی کوئی بات غیر ممکن نہیں ہے ۔ روس کے وہ لوگ جو دور دراز کے حصوں کو چلے جاتے ہیں آخر اپنے تمام معاملات کا انتظام خود کرتے ہیں ۔ وہ ٹیکسوں مقدموں اور دیگر اجتماعی معاملات کا نظام بناتے ہیں اور اوسپر عمل بھی کرتے ہیں ۔ جب تک حکومت اونکے کاروبار اور انتظامات میں مداخلت نہیں کرتی ان لوگوں کا نظام خوب کامیاب ہوتا ہے ۔ اس مثال سے ثابت ہے کہ لوگوں کو موقع ملے تو وہ باہمی سمجھوتہ سے سوسائٹی کے معاملات بغیر تشدد کے بھی درست کر سکتے ہیں ۔ مجھے علاقہ اورال کے ایسے لوگوں کا بھی حال معلوم ہے (جنھیں کوسک کہتے ہیں) جو اراضی کے متعلق ذاتی حقوق کے قوانین کو تسلیم نہیں کرتے ۔ اور اونکی قوم میں ایسی خوشحالی اور سکون پایا جاتا ہے جو اوس سوسائٹی میں بھی بالکل مفقود ہے جہاں زمینوں کی حفاظت قوت سے کی جاتی ہے ۔ میں ایسے اشتراکیین سے بھی واقف ہوں جو پرائوٹ جائداد میں حقوق ذاتی کو تسلیم نہیں کرتے ۔ مجھے یاد ہے کہ روسی کاشتکار زمینوں کی ملکیت کے خیال کو پسند نہیں کرتے تھے ۔ گورنمنٹ کا قانون متعلقہ حفاظت زمین نہ صرف اس جھگڑے کو ختم نہیں کرتا بلکہ بہت سی مثالوں میں اور زیادہ جھگڑے پیدا کرتا ہے ۔

اگر زمینوں کی اسقدر حفاظت نہیں کی جاتی تو لوگ ساری دنیا میں نہایت آسانی سے پھیل جاتے ۔ لیکن بحالات موجودہ زمینوں کے متعلق سخت قوانین ہونیکے

باعث کشت و خون کا ایک لگاتار سلسلہ جاری ہے ۔ جس سے صرف وہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو ظلم کرنے میں گورمنٹ کے شریک ہیں نہ کہ کاشتکار ۔ یہ ہی حال اون اشیا کا ہے جو محنت سے پیدا کی جاتی ہیں یعنی جن چیزوں کا انسان واقعی ضرورتمند ہے اونکی حقیقی حفاظت قوت سے نہیں بلکہ رسم و رواج، رائے عامہ، اور باہمی سمجھوتہ سے ہوتی ہے ۔ قوت سے اوس جنگل کو حفاظت کی ضرورت ہے جو ایک ہی شخص کی ملکیت میں ہو جبکہ اوسکے قرب و جوار میں ہزاروں آدمی ایندھن کو ترسیں یا اون کارخانوں کو جہاں مزدوروں کی نسلیں کی نسلیں فریب کھا چکی ہوں' یا اوس ہزاروں من اناج کے انبار کو جسکا مالک خشک سالی کے وقت تگنی قیمت کو فروخت کرتا ہے ۔ سرکاری حکام یا دولتمند آدمیوں کے علاوہ کون ایسا ہے جو ایک کاشتکار کا حقیر گھر یا اور کدال یا اوسکی محنت کی کمائی ہوئی پیداوار اوس سے چھینے گا ۔ اگر کوئی ایسا شخص پایا بھی جائے گا جو دوسروں سے اونکی ضرورت کی چیزیں چھین لے تو اوسکی سوسائٹی کا ہر فرد اوسپر اسقدر غصہ ہوگا کہ وہ اپنی چوری سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیگا ۔ اسکے علاوہ ایسے سرکش کو سخت ترین قوت بھی ارتکاب جرم سے باز نہیں رکھ سکتی ۔ عام طور سے کہا جاتا ہے کہ اگر زمین پر حقوق ملکیت نہ رہے' یا محنت کی پیداوار پر تو کوئی شخص کام کرنے کی تکلیف نہ اٹھائیگا اسلیے کہ کسی کو اپنی چیز پر ملکیت کا یقین نہ ہوگا لیکن اسکے بالکل برعکس ہم کہتے ہیں کہ ناجائز طریقہ سے حاصل کی ہوئی چیزوں کی جبریہ حفاظت نے اگر اونکے صحیح استعمال کے احساس کو بالکل نہیں مٹا دیا تو کمزور ضرور بنا دیا ہے یعنی اوس قدرتی حق ملکیت کو ضعیف بنا دیا ہے جسکے بغیر نسل انسانی باقی نہیں رہ سکتی ۔ لہذا اس پیش بینی کی کوئی وجہ نہیں کہ منتظم ظلم

کے بغیر ہم اپنی زندگی کو باقاعدہ کیوں نہیں بنا سکتے ۔ گھوڑے اور بیل تو بے شک انسان کے محکوم ہی رہیں گے لیکن انسان انسان کا محکوم کیوں ہو؟ اسکا کیا ثبوت کہ عارضی طاقت پاکر ایک ظالم مظلوم سے زیادہ عقلمند ہو جاتا ہے؟ کمزور پر ظلم کرنا بیوقوفی کی دلیل ہے نہ کہ عقلمندی کی ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر جگہ قوت اون لوگوں کو دی جاتی ہے جنکا اخلاق کمزور ہوتا ہے اور وہی لوگ ترقیاں پاتے ہیں ۔

اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ بغیر گورمنٹ یا جبر و تشدد کے زندگی کیسے ممکن ہے حالانکہ اسکی بجائے یہ سوال بجا طور سے کیا جا سکتا ہے کہ معقول انسان بجائے معقول باہمی سمجھوتہ کے اجتماعی زندگی میں جبر و تشدد کو کیسے گوارا کر سکتا ہے اسلیے کہ انسان یا تو ذی عقل ہے یا غیر ذی عقل ۔ اگر غیر ذی عقل ہے تو تمام آدمی غیر ذی عقل ہوے جنکی ہر بات کا فیصلہ جبر و تشدد سے ہوگا ۔ ایسی حالت میں کوئی وجہ نہیں کہ ایک کو تشدد استعمال کرنے کا حق ہو اور دوسرے کو نہیں ۔ لہذا گورمنٹ کے نام سے جو تشدد کیا جاتا ہے وہ جائز نہیں ہو سکتا ۔ لیکن اگر انسان ذی العقول ہیں تو اونکے باہمی تعلقات عقل پر مبنی ہونے چاہئیں نہ کہ اون لوگوں کے تشدد پر جو اتفاقیہ طاقتور ہو گئے ہیں ۔ اور اس حالت میں بھی وہ تشدد ناجائز ٹھیریگا جو گورمنٹ کے نام سے ہوتا ہے ۔

حکومتوں کا طبقہ کس طرح لوٹا جائے

غلامی نتیجہ قانون، قانون نتیجہ حکومت ۔ لہذا دنیا کو آزادی جب ہی مل سکتی ہے جب نظام حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے ۔ لیکن یہ نظام کسطرح اڑایا جائے؟ اب تک اس سلسلہ میں جتنی کوششیں ہوئی ہیں اون سب کا ہر جگہ صرف یہ نتیجہ نکلا ہے کہ

ایک لوٹ کر دوسری گورمنٹ اوسکی جگہ قائم ہوگئی جو اکثر پہلی سے زیادہ ظالم ہوئی۔ قوت
کے ذریعہ گورمنٹ سے چھٹکارا پانے کی جو کوششیں کی جاچکی ہیں اون سے قطع نظر
کر کے اگر اشتراکیین کے موجودہ اصول کو دیکھا جائے جس سے وہ سرمایہ داروں کی
طاقت کو اڑانا، پیداوار کے ذرائع کو عام بنانا، اور سوسائٹی میں ایک نیا اقتصادی انقلاب
پیدا کرنا چاہتے ہیں تو بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک ظلم کی جگہ دوسرا ظلم قایم ہوجائیگا جسکے
قیام کے بھی وہی ذرائع ہونگے۔ لہذا ظلم کا علاج ظلم سے نہ کبھی ہوا ہے نہ آئندہ ہو اور نہ لوگ
ظلم کے ذریعہ غلامی سے آزاد کیے جا سکتے ہیں۔

فوری جوش غضب یا جوش انتقام کے علاوہ تشدد کا استعمال صرف اسلیے کیا جاتا ہے
کہ کمزور طاقتور کی اطاعت کرے اور اپنی مرضی کا خود مالک نہ ہو۔ اسی کا نام غلامی ہے۔ لہذا
جب تک ایسا تشدد باقی ہے جو بعض لوگوں کو اونکی مرضی کے خلاف کام کرنے پر مجبور کرے اوسوقت
تک غلامی کا وجود بھی باقی رہیگا۔

رسم غلامی کا استیصال اوسوقت ممکن ہے جبکہ اون اسباب کی کامل بیخ کنی کردی جائے
جو گورمنٹ کو ظلم کی قدرت دیتے ہیں۔ گورمنٹ کے مظالم کی وجہ مثل ہر ایک دوسرے تشدد
کے جو قلت کثرت پر کرتی ہے صرف یہ ہے کہ قلت مسلح ہے اور کثرت غیر مسلح۔ دنیا کی تمام
فتوحات کا راز اسی اصول میں مضمر ہے۔ جنگ یا صلح، ماضی یا حال، ہر جگہ اور ہر زمانہ میں
یہی ہوتا ہے کہ حاکم مسلح ہوتے ہیں اور محکوم غیر مسلح۔ پرانے زمانہ میں سپاہی اپنے سرداروں
کے ساتھ نہتے باشندوں پر ٹوٹ پڑتے اور اونکو لوٹ لیتے۔ مال غنیمت ہر سپاہی کو اوسکی
ہمت، اور استعداد ظلم کے مطابق ملتا تھا اور ہر سپاہی دیکھتا کہ اوسکی خونخواری اوسکے حق
میں کتنی مفید ثابت ہوئی۔ اب مسلح آدمی جو بیشتر مزدور پیشہ لوگ ہوتے ہیں ہڑتال کرنے

والوں، باغیوں، یا دوسرے ممالک کے باشندوں پر حملہ کرتے ہیں، اونکو محکوم بناکر لوٹتے
ہیں، نہ اپنے واسطے بلکہ اون لوگوں کے واسطے جو لڑائی میں حصہ بھی نہیں لیتے۔
فاتح اور گورمنٹ میں صرف یہ فرق ہے کہ اول الذکر خود لوگوں کے سر پر چڑھ کر
ہیں اور جو اونکی حکم عدولی کرتا ہے اوسپر خود ظلم کرتے ہیں لیکن گورمنٹ نے ظلم کرنے کے لیے
دوسرے آدمی طیار کر رکھے ہیں جنکے ذریعہ سے وہ ظلم کرتی ہے۔ ان ظلم کے ایجنٹوں کو با
کے سر پر بھیجتی اور اپنی مرضی کے مطابق حکمرانی کرتی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ یہ ایجنٹ او
ہی باشندوں میں سے منتخب کیے جاتے ہیں جنپر ظلم ہوتا ہے۔ غرضکہ پہلے تو جبر و تش
ظلم کھلا مقابلہ پر آکر ہوتا تھا لیکن اب دھوکے سے ہوتا ہے۔ لہذا پہلے تو اسکا مقابلہ ک
سکے لیئے مسلح ہونے کی ضرورت پیش آتی تھی لیکن اب ظلم و تشدد کا مقابلہ کرنے کے لیئے صرف ا
دھوکے اور فریب کا پردہ فاش کر دینا کافی ہے جسکی وجہ سے ایک قلیل التعداد گروہ کثـ
التعداد پر ظلم کرنے پاتا ہے۔
وہ فریب یہ ہے کہ چند لوگ اپنے اباواجداد سے جو فاتح تھے ورثتاً حکومت پاکر عو
سے کہتے ہیں "تم گو بہت سے ہو لیکن سب احمق اور جاہل ہو۔ تم اپنے انتظامات خود
کر سکتے لہذا انتظامی... بہتری کی فکریں ہم کریں گے۔ تمھیں بیرونی حملوں سے بچائیں
اور ملک میں عدالتیں، مدارس، سڑکیں وغیرہ وغیرہ بناکر داخلی امن و امان قایم کریں
اسکی عوض تمھیں صرف اتنا کرنا ہوگا کہ تم اپنی آمدنی کا تھوڑا حصہ ہمارے قبضہ میں دیدو
خود فوجوں میں بھرتی ہو جاؤ جو تمھاری ہی حفاظت کے لیئے بنائی جارہی ہیں" اکثر لوگ ا
راضی ہو جاتے ہیں، نہ اسلیے کہ وہ اپنا نفع نقصان دیکھ لیتے ہیں بلکہ اسلیے کہ وہ بچپن
سے ان حالات میں پرورش پاتے ہیں۔ اگر اسکے ضروری اور غیر ضروری ہونے کے متعلق

ی کو کوئی شبہ لاحق بھی ہوتا ہے تو ہر ایک اپنی تنہا ذات کے لئے خوفزدہ ہو کر یہ شرالط
ل کرلیتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میری قلیل مالی یا فوجی خدمت سے مجھے ایسا کیا بڑا نقصان
پنچ سکتا ہے ۔ دوسری جانب گورمنٹ روپیہ اور فوج پاتے ہی رعیت سے ایفائے عہد
ں بجائے ہمسایہ قوموں کو برافروختہ کرکے جنگ کے اسباب پیدا کرتی ہے ۔ الف لیلہ کے
ر تسمہ پا کی طرح گورمنٹ بھی رعیت کو ہر طرح جکڑ دیتی ہے ۔ آلات حرب خریدے
جاتے ہیں اور فوجی خونخواری کی تعلیم دی جاتی ہے ۔ ایک منظم فوج اسطرح قایم کردی
جاتی ہے جو دوسروں کو بھی اسی نظام میں شامل ہونے کی ترغیب دیتی ہے ۔ اس فوجی
نظام کے سوائے اسکے اور کوئی معنی نہیں کہ اس تعلیم کے بعد لوگ اوس حقیقی اور سب
سے زیادہ قابل قدر وصف انسانی یعنی آزادی سے قطعاً محروم ہو کر ایک با اقتدار جماعت
کے ہاتھ میں آلہ خونریزی بن جائیں اور اسی منظم فوج میں موجودہ گورمنٹوں کے اقتدار
کا تمام راز مضمر ہے ۔ جب گورمنٹ کے ہاتھ میں خونریزی اور تشدد کا ایسا اطاعت شعار
آلہ موجود ہے جسکی اپنی کوئی مرضی نہ ہو تو گویا تمام ملک اون کے ہاتھ میں ہے ۔ وہ اس
آلہ کو اپنے ہاتھ سے ہرگز نہیں جانے دیتے اور نام نہاد مذہب اور حب الوطنی کا جوش
دلا کر اپنی وفاداری پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے ہیں ۔ یہ ہی وجہ ہے کہ تمام دنیا
کے بادشاہ فوجی انتظام کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور فوجی قواعد، فوجی
ترتیب اور تمام فوجی لغویات کا اسقدر انتظام رکھتے ہیں ۔ وہ جانتے ہیں کہ فوج کی
بقا پر اونکی اپنی بقا کا انحصار ہے اور ان ہی منظم فوجوں کے ذریعہ سے وہ تمام اون بے
رحمیوں پر قادر رہیں جو لوگوں کو اونکا محکوم بنائے رہتی ہیں ۔

نہ کہ قوت ۔ لوگوں کو یہ جاننا چاہیے کہ اول عیسائی دنیا میں ایک دوسرے کی حفاظت ضروری نہیں گورمنٹ ہی آپس کی دشمنی کا سبب ہے فوجیں صرف حکمراں طبقہ کے فائدہ کے لیے ضروری ہیں، اور یہ کہ عوام کے حق میں وہ آلۂ غلامی کے سوا اور کچھ نہیں۔ دوئم یہ جاننا چاہیے کہ وہ نظام جسکی گورمنٹ اسقدر قدر کرتی ہے سب سے بڑا انسانی گناہ ہے ۔ اسلیے کہ یہ انسان کو عقل و آزادی سے دور کردیتا ہے ۔ اس نظام کا منشا سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ اوسکے ذریعہ سے چند لوگ اون جرائم کے ارتکاب پر قادر ہو جائیں جنکو معمولی حالت میں وہ خود بھی پسند نہ کرینگے ۔ قومی اور دفاعی جنگ بھی اوس سے بالکل مستغنی ہے جیساکہ حال میں بوئر قوم نے ظاہر کردیا لہذا اوسکی منشا صرف ایک ہی ہے جیساکہ ولیم دوم نے ظاہر کیاہے یعنی نسل انسانی کی قطع و برید ۔

یہ ہی وہ فریب ہے جسکے ذریعہ سے ایک با اقتدار لیکن نااہل اقلیت یعنی گورمنٹ نہ صرف لوگوں کو مفلس بنادیتی ہے بلکہ بچپن ہی سے پوری نسل کا ستیاناس کردیتی ہے اگر رسم غلامی اور عزل حکومت مدنظر ہے تو اس فریب کا انکشاف ضروری ہے ۔

جرمن مصنف یوجین شمٹ نے اپنے اخبار "اوہنی اسٹاٹ" بڈاپسٹ میں ایک نہایت سچا اور دلیرانہ مقالہ لکھا تھا کہ تمام حکومتیں جو دوسروں کی محافظت کے پردہ میں اپنے وجود کو حق بجانب ٹھیراتی ہیں کلیریا کے اوس ڈاکو سردار کی مثل ہیں جو تمام مسافروں سے صحیح سالم سفر کرنے کا محصول وصول کرتا تھا ۔ گورمنٹ نے ہم پر ایسا جادو کردیا ہے کہ اس قسم کی مماثلت کو ہم ایک مبالغہ یا مذاق سمجھتے ہیں لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ تمام حکومتیں اوس ڈاکو سردار سے کہیں زیادہ بے رحم

دولتمند معاونین کی حفاظت کرتی ہے۔ ڈاکو اپنی جان خطرہ میں ڈالتا ہے اور گورمنٹ کے تمام کام مکروفریب پر مبنی ہوتے ہیں۔ ڈاکو کسی کو اپنی جماعت میں جبریہ شامل نہیں کرتا اور گورمنٹ فوجوں میں جبریہ بھرتی کرتی ہے۔ ڈاکو کو محصول دیکر ہر شخص یکساں اوسکی حفاظت میں آجاتا تھا لیکن حکومت میں کوئی جسقدر زیادہ مکروفریب میں حصہ لیگا اوسیقدر حفاظت و انعام کا زیادہ مستحق ہوگا چنانچہ بادشاہ کی سب سے زیادہ حفاظت کی جاتی ہے اور ملک کی آمدنی کا وہی سب سے بڑا حصہ خرچ کرسکتا ہے۔ اعلیٰ عہدہ داران حکومت سے لیکر ادنی ملازمین تک یہی سلسلہ چلا آتا ہے۔ ڈاکو کسی کو قصداً بداخلاق نہیں بناتا لیکن گورمنٹ اپنے حصول مدعا کی وجہ سے بچپن ہی سے دماغوں میں جھوٹے مذہب اور غلط حب الوطنی کا جوش بھر دیتی ہے۔ الغرض بدنام اور ظالم بادشاہوں سے قطع نظر کرکے زمانہ حاضرہ کی بہترین اور باقاعدہ حکومتیں بھی ظلم وستم میں بدترین ڈاکوؤں سے بہتر نہیں۔

کلیساؤں کی طرح حکومتوں کو بھی ناواقف آدمی عزت کی نظر سے دیکھنے پر مجبور ہے لیکن اسی طرح واقفیت حاصل ہونے پر ہر ایک اون سے نفرت پر بھی مجبور ہوگا۔ جب تک کہ انسان اونکی پیروی کرتا ہے یہ خیال کرتا رہتا ہے کہ وہ کوئی بہت ہی عمدہ اور قابل تقلید شے ہے لیکن جب اونکی ماہیت پر غور کرتا ہے تو سمجھ لیتا ہے کہ حکومت چند نااہل لوگوں کے مکروفریب کے سوا اور کچھ نہیں جسکا قیام محض خودغرضی کی بنا پر ہے اس خیال کے ساتھ ہی وہ اون لوگوں سے نفرت کرنے لگتا ہے اور جسقدر زیادہ اہم شعبہ جات زندگی میں اوسنے تقلید کی ہوگی اوسیقدر زیادہ اوسے نفرت ہوگی۔ گورمنٹ کی ماہیت جانکر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا وہ اوسے نفرت کرنے

پر مجبور ہوگا ۔ لوگوں کو یہ بات بالیقین محسوس کرنا چاہیے کہ گورمنٹ کی تمام مجرمانہ کارروائی
میں حصہ لینا خواہ وہ روپیہ دینے سے ہو یا فوجی خدمت ادا کرنے سے معمولی نظر انداز کر دینے
کے قابل بات نہیں ہیں بلکہ خود اپنے اور اپنے بھائیوں کے لئے نقصان دہ ہونے کے
علاوہ بھی گورمنٹ کو آئے دن نئے مظالم کرنے کے لئے طیار کرنا ہے ۔

حکومتوں کے احترام کا زمانہ باوجود اونکی تمام سحر سازیوں کے روز بروز گزرتا جاتا ہے
اور وقت آگیا ہے کہ لوگ اچھی طرح اس بات کو سمجھ لیں کہ حکومتیں نہ صرف غیر ضروری ہیں بلکہ
غایت درجہ نقصان دہ اور مخرب اخلاق بھی ہیں جنمیں کسی ایماندار اور خود دار آدمی کو حصہ
نہیں لینا چاہیے اور نہ اوس میں کسی قسم کی مدد دینی چاہیے ۔ جونہی کہ لوگ اس بات کو محسوس
کرنے لگیں گے وہ خود بخود حکومت میں حصہ لینے سے گریز کرنے لگیں گے اور جب کثرت اسپر عامل
ہو جائیگی تو وہ فریب جو آدمیوں کو غلام بناتا ہے برباد ہو جائیگا ۔ صرف یہ ہی ایک طریقہ ہے
جس سے لوگ غلامی سے آزاد ہو سکتے ہیں ۔

ہر شخص کو کیا کرنا چاہیئے

وہ لوگ جو اپنے ماحول کے عادی ہوگئے ہیں اور وہ جو اوسمیں تغیر کو یا
تو ناممکن سمجھتے ہیں یا پسند نہیں کرتے یہ ہی کہیں گے کہ یہ سب محض خیالات ہیں اور خواہ
غلط یا صحیح لیکن زندگی میں ناممکن العمل ضرور ہیں مالدار لوگ عموماً دریافت کریں گے کہ بتاؤ ہم
کیا کریں اور سوسائٹی کو کسطرح ترتیب دیں ۔

دولتمند لوگ اپنی مالکانہ حیثیت کی اسقدر عادی ہوگئے ہیں کہ اصلاح مزدوران
کے ذکر پر وہ نئے نئے تجاویز تو سوچیں گے لیکن یہ کبھی محسوس نہ کرینگے کہ اونکو دوسروں کے

متعلق فیصلہ کا کیا حق ہے یا یہ کہ اونکو وہ برائیاں چھوڑ دینا چاہئیں جنپر وہ عامل ہیں اور جو نہایت صاف اور واضح ہیں۔ صرف یہ ہی نہیں ہے کہ وہ جبریہ خدمت لیتے ہیں بلکہ جبریہ خدمت کے اصول کو بھی ہمیشہ کے لئے باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ یہی وہ بات ہے جو اونکو چھوڑ دینا چاہیے۔

مزدوران بھی جبر یہ خدمت کرتے کرتے اسقدر گمراہ ہوگئے ہیں کہ وہ یہ سوچتے ہیں کہ اگر اونکی حالت زبوں ہے تو اسمیں اونکی خطا نہیں بلکہ اونکے مالک کی خطا ہے جو پیداوار کے ذرائع پر قابض ہے اور اونکو بہت تھوڑا معاوضہ دیتا ہے۔ اونکو یہ خیال کبھی نہیں ہوتا کہ اپنی زبوں حالی کے وہ خود ذمہ دار ہیں اور یہ کہ اگر وہ اپنی اور اپنے بھائیوں کی حالت درست کرنا چاہتے ہیں تو اوسکی یہ صورت نہیں ہے کہ ہر شخص فرداً فرداً اپنے لئے کوشش کرے بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنی برائی کو چھوڑ دیں ۔ اور اونکی برائی یہ ہے کہ سب لوگ اون ہی ذرائع سے اپنی مادی ترقی کے خواہشمند ہوکر جو اونکی غلامی کا اصلی سبب ہیں اپنی تمام انسانی خودداری اور آزادی کو قربان کر دیتے ہیں اور نہایت حقارت آمیز اور مخرب اخلاق ملازمتیں قبول کر لیتے ہیں یا غیر ضروری اور نقصان دہ چیزیں بناکر اور سب سے زیادہ یہ کہ حکومت کو محصولات وغیرہ دیکر غلامی کے شکنجہ کو مضبوط کر لیتے ہیں ۔

اگر اصلاحات مدنظر ہیں تو دولتمند اور مزدور دونوں طبقوں کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اپنے ذاتی مفاد کی حفاظت سے کوئی ترقی ممکن نہیں ۔ ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ سب ملکر موجودہ طرز زندگی کو بدلیں اور صرف گورمنٹ کے خلاف ایک سخت جنگ کے لئے آمادہ نہ ہوں بلکہ خود اپنے اور اپنے گھر والوں کے خلاف بھی۔ اور اون سزاؤں کے لئے بھی طیار رہیں جو گورمنٹ کے مطالبات پورا نہ کرنیکی وجہ سے اونکو دی جائینگی ۔ لہذا اس سوال کا جواب کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے نہایت سادہ ...

امیدوں کے موافق نہیں جو دوسروں کی اصلاح چاہتے ہیں نہ کہ خود اپنی اور نہ طبقہ مزدوران کی امیدوں کے موافق ہے جو اپنی زبوں حالی کا سبب صرف سرمایہ داروں کو ٹھیراتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اگر حقوق ملکیت عام کر دیے جائیں تو وہ آرام اونکو بھی میسر آجائیگا جو اسوقت صرف دولتمندوں کے حصہ میں ہے - جواب نہایت صاف اور ممکن العمل ہے اسلیے کہ وہ صرف اوس ایک شخص کے عمل کا مطالبہ کرتا ہے جسپر ہم سب کو پورا پورا اختیار ہے یعنی خود اپنی ذات کا اور وہ یہ ہے کہ اگر سب کی اصلاح مدنظر ہے تو ہر شخص کو وہ برائیاں چھوڑ دینی چاہئیں جو خود اوسکو اور اوسکے بھائیوں کو غلام بناتی ہیں - سب سے پہلے یہ چاہیے کہ حکومت میں کوئی حصہ نہ لیا جائے یہانتک کہ وزارت سے لیکر ادنیٰ ملازمت تک بھی نہ اختیار کی جائے - دوسرے گورمنٹ کو کوئی محصول نہ دیا جائے خواہ یہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ اور نہ ان محصولات کا روپیہ قبول کیا جائے خواہ تنخواہ کی صورت میں ہو خواہ پنشن یا انعام کی - اور نہ اون مؤسسات میں حصہ لیا جائے جو حکومت کی طرف سے ان محصولات سے قائم ہیں - تیسرے اپنی املاک کی حفاظت کے لیے خواہ وہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ گورمنٹ سے کوئی اپیل نہ کی جائے اور تمام چیزوں پر جو اپنی ملکیت میں ہیں صرف اوسوقت تک قبضہ رکھا جائے جبتک کہ کوئی دوسرا اونکا مطالبہ نہ کرے -

اسکے جواب میں یہ کہا جائیگا کہ یہ تمام باتیں ناممکن ہیں - حکومت میں حصہ لینے سے انکار کرنے کے معنی زندگی سے انکار کرنا ہے - جو فوجی خدمات سے انکار کریگا اوسکو قید ہوگی جو محصولات نہ دیگا اوسکو سزا علحدہ ہوگی اور اوسکا مال ومتاع علحدہ نیلام ہوگا - جسکے ذرائع محدود ہونگے وہ سرکاری ملازمت نہ کریگا تو مع گھر بار فاقوں مریگا - اور یہی حال اوسکا ہوگا جو سرکاری حفاظت سے انکار کردیگا - مؤسسات سرکاری

مثلاً ڈاکخانہ جات اور سڑکیں وغیرہ بھی ضروری ہیں اور بعض محصولی اشیا بھی ضروریات زندگی میں سے ہیں ۔

یہ صحیح ہے کہ ہمارے زمانہ کے آدمیوں کے لیے گورمنٹ سے اشتراک عمل بالکل چھوڑ دینا سخت دشوار ہے لیکن کسی نہ کسی حیثیت سے اشتراک عمل کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ گورمینٹ کے پھندے سے ہم رفتہ رفتہ بھی آزاد نہیں ہوسکتے ۔ ہر شخص جبریہ فوجی بھرتی سے انکار نہیں کرسکتا لیکن یہ ممکن ہے کہ ہر شخص بخوشی سرکاری ملازمتیں نہ اختیار کرے اور کم تنخواہوں کی پرائوٹ ملازمتوں کو اونپر ترجیح دے ، ہر شخص اپنی جائداد سے دستبردار نہیں ہوسکتا لیکن اوسکی برائی سے خبردار ہوکر رفتہ رفتہ اوسکو کم کرسکتا ہے ۔ ہر شخص اپنا سرمایہ اور سامان تعیش نہیں چھوڑ سکتا لیکن ہر شخص اپنی ضروریات گھٹا سکتا ہے ، ہر سرکاری ملازم سرکاری تنخواہیں لینا بند نہیں کرسکتا لیکن ظلم سے بچنے کے لیے بڑی تنخواہ پر چھوٹی تنخواہ کو ہر شخص ترجیح دیسکتا ہے اسیطرح سرکاری مدارس پر پرائوٹ مدارس کو ترجیح دی جاسکتی ہے اور محصولی اشیا کا استعمال بھی کم کیا جاسکتا ہے ۔

موجودہ نظام میں جسکی بنا ظلم پر ہے اور اوس خیالی سوسائٹی میں جسکی بنا معقول باہمی سمجھوتہ پر ہو دونوں کے درمیان متعدد مدارج ہیں جنکو انسان طے کررہا ہے ۔ اور جتنا اس ظلم میں حصہ لینے سے آزاد ہوتا جاتا ہے اوتنا ہی اوس خیالی سوسائٹی سے قریب تر ہوتا جاتا ہے ۔ ہم نہیں جانتے اور نہ اسکی پیشین گوئی کرسکتے ہیں کہ حکومتوں کا رفتہ رفتہ کمزور ہونا اور لوگوں کا رفتہ رفتہ آزاد ہونا کسطرح واقع ہوگا اور نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ آزادی کی ترقی سے انسانی زندگی کونسی نئی شکل اختیار کریگی لیکن اتنا یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اون لوگوں کی زندگی جو گورمنٹ کے ساتھ اشتراک عمل

کی برائی محسوس کر کے اوس سے گریز کرینگے. اس زندگی سے بالکل مختلف قانون قدرت اور ضمیر کے مطابق ہوگی ۔ اصل بات یہ ہے کہ موجودہ زندگی کا نظام برا ہے جسکا سبب حکومت کا ظلم ہے ۔ یہ ظلم صرف اسطرح رفع کیا جاسکتا ہے کہ لوگ اوسمیں حصہ لینا چھوڑ دیں لہذا یہ سوال فضول ہے کہ عدم اشتراک عمل سہل ہے یا مشکل اور اسکا نتیجہ بجلد ظاہر ہوگا یا بدیر اسلیے کہ خواہ کچھ ہو لیکن غلامی سے آزادی کا صرف یہی ایک طریقہ ہے۔ سوسائٹی میں معقول باہمی سمجھوتہ جبر و تشدد کی جگہ تمام دنیا میں کب اور کس حد تک رائج ہوگا اسکا انحصار اسپر ہے کہ کتنے آدمی کس حد تک اسکی ضرورت محسوس کرتے ہیں ۔ کسی انسانی تحریک میں ہر شخص کا فرداً فرداً کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہوتا ہے ۔ ہر شخص اوس میں ترقی بھی دے سکتا ہے اور اوسکی مخالفت بھی کر سکتا ہے ۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ خواہ خدا کی مرضی کے خلاف اپنی عارضی زندگی کا گھر ریت پر بنائے یا خدا کی مرضی کے مطابق ایک غیر فانی اور حقیقی زندگی کی تحریک میں شامل ہو ۔

"لیکن ممکن ہے کہ میں غلط ہوں، انسانی تاریخ سے صحیح نتائج بہ نہ نکلتے ہوں، اور انسان غلامی سے آزادی کی طرف نہ جارہا ہو ۔ شاید یہ ثابت کیا جاسکے کہ موجودہ طرز حکومت انسانی ترقی کے لئے ضروری ہے اور حکومتوں کا تختہ لوٹنا ہماری حفظ و امن کے لئے مضر ہے لیکن اجتماعی زندگی کے عام خیال کے علاوہ ہر شخص کو اپنی انفرادی زندگی کا مسئلہ بھی سمجھنا ہے ۔ زندگی تک کے عام قوانین کے باوجود کوئی شخص انفرادی طور سے اوس کام کے کرنے پر راضی نہ ہوگا جو نہ صرف نقصان دہ ہو بلکہ غلط بھی ہو لہذا ہر ایماندار اور سچے آدمی کا یہ جواب ہوگا کہ "غالباً وہ تمام دلائل صحیح ہیں جو گورمنٹ کو انسانی ترقی کے لئے ضروری ثابت کرتے ہیں اور یہ سب تاریخی مثالوں سے بھی ثابت کیے جاسکتے ہیں ۔ لیکن یہ بات

میں بلا دلیل مانتا ہوں کہ قتل ایک برائی ہے۔ فوجی خدمت اور سامان حرب کے لئے مجھ
سے روپیہ لیکر تم مجھے قاتل بنانا چاہتے ہو۔ میں تو اوس روپے سے بھی کوئی فائدہ
نہ اٹھاؤنگا جو تم نے قتل کی دھمکیاں دیکر دوسروں سے وصول کیا ہے جب تک یہ برائیاں
نہیں معلوم تھیں میں تمہارا شریک تھا۔ ذراسی زندگی کے لئے اپنے ضمیر کے خلاف یہ
بداعمالیاں ہرگز نہ کرونگا خواہ اسکا نتیجہ کچھ ہو"۔ اسطرح ہر معقول انسان بھی بطور خود
سوچ کر اوسی نتیجہ پر پہونچے گا جسپر کہ عام دلائل دلالت کرتے ہیں۔